اسلام میں عورت کا مقام

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

اسلام میں عورت کا مقام

مشتمل بر

خطاب بانی تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

و دیگر مقالات

شائع کردہ:

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون:03-5869501

نام کتاب ——————— اسلام میں عورت کا مقام

طبع اوّل تا دہم (اپریل 1984ء تا مئی 2004ء) ——————— 23,600

طبع یازدہم (جنوری 2005ء) ——————— 1100

ناشر ——— ناظم نشر و اشاعت' مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت ——————— 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور

فون: 03-5869501

مطبع ——————— شرکت پرنٹنگ پریس' لاہور

قیمت (اشاعت عام) ——————— 35 روپے

ترتیب

- عرضِ ناشر ______ ۴
- اسلام میں عورت کا مقام ______ ۷

ڈاکٹر اسرار احمد

- اسلام اور عورت ______ ۹۹

شیخ جمیل الرحمٰن مرحوم

- عورت: اقبال کے کلام میں ______ ۱۱۳

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

- ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا انٹرویو ______ ۱۲۳

شائع شدہ: آنچل کراچی

- اسلامی معاشرے میں خواتین کا کردار ______ ۱۳۷

جنگ فورم میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی گفتگو کا خلاصہ

شائع شدہ: جنگ جمعہ ایڈیشن

عرض ناشر

آج سے انیس برس قبل روزنامہ جنگ کے آل پاکستان جمعہ میگزین (۱۳ تا ۱۸ر مارچ ۱۹۸۲ء) میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ کا ایک انٹرویو شائع ہوا تھا۔ یہ انٹرویو جناب ارشاد احمد حقانی نے لیا تھا جو درحقیقت نجی گفتگو اور انٹرویو کے بین بین کی چیز تھی۔ اس گفتگو کے دوران خواتین بالخصوص ملازمت پیشہ خواتین سے متعلق بھی چند ضمنی نوعیت کے سوالات ہوئے۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنا فکر اور نظریہ بیان کرتے ہوئے ان سوالات کے مختصر جوابات دیئے۔ لیکن جنگ میگزین میں جب یہ انٹرویو شائع ہوا تو ان ضمنی سوالات کے مختصر جوابات کو جلی سرخیوں سے شائع کیا گیا۔ انٹرویو کے اس حصے پر ملک بھر میں ''روشن خیال'' اور مغرب زدہ خواتین و حضرات کی طرف سے محترم ڈاکٹر صاحب کے خلاف مضامین' مراسلات' بیانات اور تقاریر کا ایک طوفانِ بدتمیزی اُٹھ کھڑا ہوا۔ حتیٰ کہ کراچی ٹیلی ویژن اسٹیشن پر آزاد خیال خواتین نے' جن میں ایک بڑی تعداد اعلیٰ مناصب پر فائز حضرات کی خواتین کی تھی' محترم ڈاکٹر صاحب کے ٹی وی پروگرام ''الہدیٰ'' کو بند کرنے کا مطالبہ کرنے کے لئے مظاہرہ کیا' جس کی خبریں اخبارات میں نمایاں کر کے شائع کی گئیں۔

اس پس منظر میں محترم ڈاکٹر صاحب نے ۲۳ر مارچ ۸۲ء کو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے سالانہ اجلاس کے موقع پر اور ۲۶ر مارچ کو مسجد دارالسلام لاہور کے خطاب جمعہ میں ''اسلام میں عورت کا مقام'' کے موضوع پر تقریریں کیں۔ میثاق کے ادارۂ تحریر کے سینئر رکن جناب شیخ جمیل الرحمٰن مرحوم نے ان دو خطابات کو ٹیپ سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کر کے معمولی حک و اضافے کے ساتھ یکجا طور پر مرتب کیا جسے اولاً میثاق مئی ۸۲ء کے شمارے میں شائع کیا گیا اور بعد ازاں موضوع زیر بحث کے بارے میں بعض قابل قدر مقالات کے اضافے کے ساتھ اسے کتابی صورت میں افادۂ عام کیلئے شائع کیا گیا' جس کے اب تک متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اب اس کتاب پر معمولی نظر ثانی کے بعد اسے کمپیوٹر کمپوزنگ کے ساتھ ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے۔

ناظم نشر و اشاعت

اپریل ۲۰۰۲ء

اسلام میں

عورت کا مقام

امیر تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کا ایک فکر انگیز خطاب

ذیلی عنوانات

تمہید	۷	قرار فی البیوت	۶۴
معاشرتی بے راہ روی کا تجزیہ اور تشخیص	۱۱	تبرج کی ممانعت	۶۶
مسئلہ کا پس منظر اور پیش منظر	۱۳	آیتِ حجاب	۶۷
اسلام میں خواتین کا مقام	۱۵	نقاب	۶۹
عورت کا دینی اور اخلاقی تشخص	۱۶	خواتین کا احرام اور چہرے کا پردہ	۷۱
وہ مساوات جس کو اسلام تسلیم کرتا ہے	۱۸	گھر سے باہر نکلنے کے احکام	۷۲
عورت کا قانونی تشخص	۲۳	باہر نکلنے کی صورت میں دیگر ہدایات	۷۷
قانونی تشخص میں مساوات نہیں ہے	۲۴	گھر کے اندر کا پردہ	۷۸
قابلِ غور بات	۲۷	غض بصر	۷۸
عورت کی اہم حیثیتیں	۲۹	محرم کون ہیں؟	۸۲
○ عورت بحیثیت ماں	۲۹	استیذان کا حکم	۸۴
○ عورت بحیثیت بیٹی	۳۵	غزوات اور جنگوں میں خواتین کی شرکت	۸۵
○ عورت بحیثیت بیوی	۳۹	نماز با جماعت اور خواتین	۸۸
مرد کی قوامیت کی اساسات	۴۳	عیدین اور خواتین	۹۰
عورت کا اصل دائرہ کار	۵۶	ایک تکلیف دہ بات	۹۱
ستر و حجاب	۵۸	دیہات کی معاشرت سے استدلال	۹۳
خواتین کے لئے اُسوہ	۵۹	استثنائی صورتیں	۹۴
طرزِ تخاطب کی حکمت	۶۲	اربابِ اقتدار سے گزارش	۹۵
آواز کا فتنہ	۶۳	ایک ضروری گزارش	۹۷

اسلام میں عورت کا مقام

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى خُصُوْصًا عَلٰى اَفْضَلِهِمْ وَخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ مُحَمَّدٍ الْاَمِيْنِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ فَقَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى كَمَا وَرَدَ فِى سُوْرَةِ الْاَحْزَابِ:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ـــ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ﴾ (الاحزاب: ۵۹)

تمہید

حضرات! مطالعۂ قرآن و سُنّت کے نتیجے میں میری کچھ آراء اور نظریات اسلام کے سیاسی، معاشرتی اور معاشی نظاموں کے بارے میں مستقل طور پر قائم ہیں، جن کو تفہیم و تعلیم کے مقصد کے تحت کچھ عرصے سے ان اجتماعاتِ جمعہ میں کتاب و سُنّت کے دلائل کے ساتھ پیش کرتا رہا ہوں ـــ لیکن میں ان میں سے کسی مسئلہ کو بھی ایشو (issue) بنا کر کوئی تحریک چلانا صحیح نہیں سمجھتا۔ مثلاً اس وقت بحالیٔ جمہوریت کی تحریک چلائی جائے تو اس سے سیکولر ڈیموکریسی کے نام لیوا حضرات کو تقویت حاصل ہو گی۔ اسی طرح اجارہ داری اور غیر اسلامی اصولوں پر چلنے والی مزارعت یا مضاربت کے خلاف کوئی مہم چلائی جائے تو اس کا فائدہ سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں کو

پہنچے گا۔ اس لئے میرے نزدیک ایسے اقدامات سے اسلام کو فائدہ کے بجائے نقصان پہنچنے کا زیادہ احتمال ہے۔

حقیقی اور واقعی اسلامی نظام کے نفاذ کے ضمن میں میرا نظریہ یہ ہے کہ یہ اُوپر سے نیچے تھوپنے والا معاملہ نہیں ہے' یعنی اگر صاحب اقتدار طبقہ چاہے کہ وہ اسلام کو نافذ کر دے تو ایسا اقدام مستحکم اور پائیدار نہیں ہو گا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ عملی سیاست سے صرف نظر کرتے ہوئے خالصتاً نُصح و خیر خواہی کے جذبے اور رضائے الٰہی کے نصب العین کو اختیار کر کے ایک مؤثر تحریک بپا ہو اور وہ معاشرے میں عبادتِ رب کی دعوت پر اپنی تمام توانائیوں اور توجہات کو مرکوز رکھے' لوگوں میں بحیثیت مسلمان جینے اور مرنے کا جذبۂ صادق پیدا کرے' ان کو حقیقی طور پر اللہ کا بندہ بننے کی نصیحت و وصیت کرے اور ان کے دلوں میں ایمان حقیقی کے بیج کی آبیاری کرے' ان کو اس مقصد کے لئے تیار کرے کہ وہ اپنے گھروں میں اور خود اپنے اُوپر اپنی انفرادی زندگی کے دائرہ عمل میں اسلام کو نافذ کریں تا کہ پھر ملک میں اجتماعی سطح پر صحیح اسلامی نظام نافذ ہو سکے۔ یہ تحریک جتنی جتنی مضبوط جڑیں پکڑتی رہے گی اسی تناسب سے پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ اور اس کے استحکام کے امکانات روشن ہوتے چلے جائیں گے۔

اس موقع پر ایک اشکال کا ازالہ ضروری ہے' وہ یہ کہ جب میرا نظریہ یہ ہے کہ اسلام مضبوط بنیادوں پر اُوپر سے نہیں بلکہ نیچے سے صحیح کام کرنے کے نتیجے میں نافذ ہو سکے گا تو پھر میں صدر محمد ضیاء الحق صاحب سے یہ کیوں مطالبہ کرتا رہتا ہوں کہ وہ پورے کا پورا اسلام نافذ کریں ـــــ اُن سے میں یہ اس لئے کہتا ہوں کہ ان کا موقف یہ ہے کہ انہوں نے اقتدار سنبھالا ہی اس لئے ہے کہ وہ اس ملک میں اسلام کی جڑوں کو مضبوط کر کے اس کو فی الواقع نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص اس موقف اور مقصد کے ساتھ ملک کا اقتدار ہاتھ میں رکھنے کا مدعی ہو اور جس کے متعلق رائے بھی یہ ہو کہ وہ ایک مخلص اور پابندِ شریعت مسلمان ہے تو ایسے شخص

گا' چاہے وہ اُمتِ محمد علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہی سے تعلق رکھتا ہو۔

اکتوبر ۱۹۷۷ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی قرآن کانفرنس کے لئے جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے ایک پیغام بھی ارسال کیا تھا۔ اس موقع پر میں نے ان کو اجلاس میں موجود متصور کر کے کہا تھا کہ "جنرل صاحب! آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایک بڑے امتحان میں ڈالا ہے۔ آپ کو چاہئے کہ اللہ کے نام اور اس کے بھروسے پر پورے کے پورے اسلام کو نافذ کریں۔ اس وقت نظامِ مصطفیٰ کی تحریک کی وجہ سے ماحول بھی سازگار ہے"۔ میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ "جنرل صاحب! آپ پورے اسلام کا نفاذ کیجئے! اگر یہ معاشرہ اس وجہ سے آپ کو اٹھا کر پھینک دے تو کوئی بات نہیں۔ اس معاشرے نے تو بڑے بڑوں کو دوسرے اسباب سے اٹھا کر پھینک دیا ہے۔ اگر اسلام کے نفاذ کی وجہ سے کوئی شخص اقتدار اور منصب سے ہٹا دیا جائے تو اس سے بڑی سعادت اور کوئی نہیں"۔ اب بھی میں ان سے یہی کہتا ہوں اور کہتا رہوں گا' ماننا یا نہ ماننا ان کا کام ہے۔

حال ہی میں خواتین کے قضیے کے سلسلے میں ان کی یہ بات بھی اخبارات میں نقل ہوئی ہے کہ "اتھارٹی ڈاکٹر اسرار کے پاس نہیں' میرے پاس ہے"۔ حقیقی اتھارٹی تو اللہ کے ہاتھ میں ہے' لیکن اس عالمِ تشریعی میں اس وقت اتھارٹی ان ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اب اگر وہ اس کو اسلام کے نفاذ کے لئے استعمال کریں اور معاشرہ اس کو قبول کر لے تو فَهُوَ الْمُرَادُ' لیکن اگر معاشرہ ردّ کر دے تو بھی ان شاء اللہ آخرت میں وہ سرخرو ہوں گے۔ لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس رہا' جیسا کہ اب تک چلا آ رہا ہے' تو اس کی جواب دہی بھی ان کو خود ہی کرنی ہو گی' میں یا کوئی اور اس ضمن میں ان کے کام نہیں آ سکے گا۔ ﴿ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لاَّ تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلاَ يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلاَ تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ ﴾ ـــــ صدر صاحب کے اس جملے پر بعض اخبار والوں نے چاہا کہ میں کوئی تبصرہ کروں' اور اس طرح وہ مجھ سے کوئی تیز و تند جملہ کہلوا لیں۔ میں نے کہا کہ صدر صاحب نے حقیقت کا اظہار کیا ہے' اس پر میں کیا تبصرہ کروں؟ ایک رپورٹر نے کہا آپ

سے یہ مطالبہ بالکل جائز اور حق بجانب ہے کہ وہ اپنے قول اور دعوے کا عملی ثبوت پیش کرے' اس کے بغیر اس کے برسرِ اقتدار رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ پھر یہ کہ اسلام کُل کا کُل نافذ کیا جائے۔ اس کو جزوی طور پر نافذ کرنے اور تدریج کے فلسفے کو پیش نظر رکھنے کا نظریہ صحیح نہیں ہے' بلکہ ہو سکتا ہے کہ ایسے جزوی اقدامات اسلام کو بدنام کرنے کا ذریعہ بنیں ــــ صدر محمد ضیاء الحق صاحب کا ایک یہ جملہ بھی حال ہی میں اخبارات میں نقل ہوا ہے کہ "میں نے سارے اسلام کو نافذ کرنے کا ٹھیکہ نہیں لیا ہے"۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اخبارات میں رپورٹنگ غلط ہوئی ہے یا واقعی صدر صاحب نے یہ بات کہی ہے! بہرحال قرآن حکیم کا حکم تو یہی ہے کہ:

﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً ﴾ (البقرة: ۲۰۸)

"اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔"

اور کتاب و شریعت کے بعض حصّوں پر ایمان لانے اور بعض حصّوں کے انکار پر بڑی سخت وعید آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِکَ مِنْکُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُرَدُّوْنَ اِلٰٓی اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ ﴾ (البقرہ: ۸۵)

"تو کیا تم کتاب کے ایک حصّے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصّے کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں ان کی سزا اس کے سوا کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیے جائیں ــــ!"

یہ وعید یہود کے اُس طرزِ عمل پر وارد ہوئی ہے کہ انہوں نے شریعت کے احکام کی تقسیم کر رکھی تھی' کچھ کو مانتے تھے اور کچھ کا انکار کرتے تھے' یعنی ان کو عملی زندگی سے خارج کر رکھا تھا ــــ لیکن اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو کوئی بھی اللہ کی شریعت کے ساتھ یہ معاملہ کرے گا وہ بھی اسی وعید کا مستوجب ہو

تو جدوجہد کی دوسری سطح یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو منظم کیا جائے' تاکہ جماعتی شکل اختیار کر کے یہ لوگ کوشش کریں کہ معاشرے میں دعوت عبادت رب وسیع پیمانے اور محکم بنیادوں پر برپا ہو۔ اس کے لئے تنظیم اسلامی کا قیام عمل میں آیا ہے' جو ابھی ایک بہت ہی مختصر سا قافلہ ہے' لیکن بہرحال میری توانائیاں اس میں بھی لگ رہی ہیں ـــــ تو یہ دو اصل کام ہیں جن میں مَیں ہمہ تن وہمہ وقت لگا ہوا ہوں۔ باقی میرے دوسرے سارے کام ضمنی ہیں۔ اگر مجلس شوریٰ میں میری شمولیت ہے تو یہ ایک ضمنی مصروفیت ہے' بنیادی نہیں ہے۔ اس کی گواہی ہر وہ شخص دے گا جو مجھ سے کسی درجے میں بھی واقف ہو۔ سولہ سال سے تو مَیں لاہور ہی میں ہوں' اور میرا حسن ظن ہے کہ یہاں ان سولہ سالوں میں قرآن حکیم کے پیغام کی نشرواشاعت میں میری حقیر مساعی سے لاہور کا تعلیم یافتہ طبقہ بخوبی واقف ہو گا۔

میں نے گزشتہ خطاب جمعہ میں عرض کیا تھا کہ میری ان دونوں سطحوں پر مساعی کا اصل ہدف ہے ایک "اسلامی انقلاب"۔ اصلاحی طرز یا سیاسی نوع کی سعی و کوشش کے ذریعے اقامتِ دین کے فرض کی ادائیگی میرے نزدیک اگر ناممکن نہیں تو بھی محال کے درجے میں ضرور ہے۔ اس کے لئے ایک انقلابی نوعیت کی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں مَیں نے چونکہ ایرانی انقلاب کا بھی نام لے دیا تھا للہذا اس پر اخبارات میں آگیا کہ "ڈاکٹر اسرار انتہا پسند ہے اور وہ یہاں ایرانی طرز کا انقلاب لانا چاہتا ہے" حالانکہ میں نے اس موقع پر بڑی صراحت سے عرض کیا تھا کہ میں اس انقلاب پر نفیاً یا اثباتاً کوئی تبصرہ کرنا نہیں چاہتا' بلکہ صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس انقلاب نے اس بات کی ایک جھلک دکھادی ہے کہ "انقلاب" کسے کہتے ہیں۔ پوری دنیا نے اس کو تسلیم کیا ہے کہ انقلابی عمل اگر کوئی شے ہے تو ایران نے دکھا دیا ہے کہ وہ شے کیا ہے' قطع نظر اس سے کہ اس انقلاب ایران کا کتنا حصہ صحیح ہے کتنا غلط' ان کی حکمت عملی پوری کی پوری درست ہے یا اس میں تقصیر ہے۔ پھر یہ کہ وہاں کے حالات کی صحیح اطلاعات ہم تک نہیں پہنچ پا رہیں' بلکہ بڑی متضاد قسم کی

تو مجلس شوریٰ کے رکن ہیں۔ میں نے جواب میں عرض کیا کہ اس مجلس شوریٰ کے پاس بھی کوئی اختیار نہیں ہے۔ جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں وہ مغالطے میں ہیں۔ یہ تو صرف مشورہ دینے کا ایک اجتماعی پلیٹ فارم ہے۔

معاشرتی بے راہ روی کا تجزیہ اور تشخیص

موجودہ مسلم معاشرے کے متعلق میرا تجزیہ اور میری تشخیص یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں جو اعتقادی اور عملی گمراہیاں اور بے راہ روی پوری طرح مسلط ہے اس کا اصل سبب صدیوں کے بتدریج انحطاط و اضمحلال اور خاص طور پر انگریزوں کے دورِ غلامی اور خدا ناآشنا مغربی افکار و نظریات اور تہذیب کے ذہنی استیلاء کی وجہ سے ہمارے ایمان میں ضعف کا پیدا ہو جانا اور دین کی حقیقی تعلیم و حکمت سے دور ہو جانا ہے۔ یہی ضعفِ ایمان اور دین سے بُعد ہی ہماری تمام خرابیوں کی اصل جڑ ہے اور اسی جڑ سے خرابیوں کی بے شمار شاخیں پھوٹی ہوئی ہیں۔ ان شاخوں سے الجھنے اور ان سے کشتی لڑنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اصل میں ہدف اس جڑ کو ہٹانا ہوگا۔ چنانچہ میں انہی اجتماعاتِ جمعہ میں اپنا یہ موقف آپ کے سامنے بیان کر چکا ہوں کہ میری جو عملی جدوجہد ہے اور میری جتنی حقیر توانائیاں اور قوتیں، صلاحیتیں اور اوقات ہیں وہ دو کاموں میں صرف ہو رہے ہیں۔

پہلا کام یہ ہے کہ قرآن حکیم کے پیغام کی زیادہ سے زیادہ وسیع پیمانے اور اعلیٰ علمی سطح پر نشر و اشاعت کرنے کی ہر امکانی کوشش کرنا۔ اسے آپ دعوتِ رجوع الی القرآن کہہ لیں یا تعلیم و تعلم قرآن کہہ لیں۔ بہرحال میری ان مساعی میں پیش نظر یہ ہے کہ قرآن مجید ہی دراصل ایمان کا حقیقی منبع اور سرچشمہ ہے۔ ایمان کے ضعف اور اضمحلال کا اگر ازالہ ہو سکتا ہے تو اسی قرآن کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ اس مقصد کے لئے مرکزی انجمن خدام القرآن قائم ہوئی ہے۔

پھر جب حقیقی ایمان پیدا ہو جائے اور اپنے حقیقی دینی فرائض کا احساس ابھرے

نے عورت کو معاشی جدوجہد کی کھلی اجازت دی ہے!" یا یہ کہ "فلاں فلاں غزوات میں خواتین نے حصہ لیا تھا' لہٰذا عورتوں کو مردوں کے شانہ بشانہ حصہ لینے کی نظیریں موجود ہیں"۔ تو ایسی باتوں سے ایک مرتبہ انسان چونک جاتا ہے کہ جب ان باتوں کو اس زور و شور اور یقین و اعتماد سے کہا گیا ہے اور قابل اعتماد اخبارات نے ان کو شائع کیا ہے تو یقیناً بات ایسی ہی ہو گی۔ ان وجوہ سے فضا میں غبار کی سی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں کیلئے یقیناً یہ باتیں عام کی جانی ان کے حق میں مفید ہوں گی۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرح ان کے مغالطے دُور ہوں اور اصلاح کی صورت پیدا ہو۔

اب آیئے اصل مسئلہ کی طرف! قرآن اور اسلام کی رو سے حقیقتاً اور واقعتاً عورت کا مقام کیا ہے؟ بالخصوص یہ بات کہ عورت کی مَرد کے ساتھ مساوات یا عدم مساوات کی ہمارے دین میں کیا کیفیت اور کیا صحیح صورت ہے؟

عورت کا دینی اور اَخلاقی تشخّص

اس ضمن میں پہلی بات تو مَیں یہ عرض کروں گا کہ جہاں تک دینی اور اَخلاقی سطح کا تعلق ہے تو قرآن اور اسلام اس اعتبار سے مَرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ نیکی اور بدی کے کمانے میں دونوں اصناف کا علیحدہ علیحدہ ایک مکمل اَخلاقی تشخص ہے' مَرد کا اپنا ہے اور عورت کا اپنا۔ مَرد جو نیکی کماتا ہے تو اپنے لئے اور بدی کماتا ہے تو اپنے لئے' اور عورت نے جو نیکی کمائی ہے تو اس کا اجر اس کے لئے ہے اور بدی کمائی ہے تو اس کا وبال بھی اسی کے اوپر ہو گا۔ عورت دینی اور اَخلاقی اعتبار سے مَرد کے تابع نہیں ہے۔ چنانچہ سورۃ التحریم میں واضح کیا گیا کہ بہترین مَردوں کے گھر میں بدترین عورتیں رہیں۔ اس کے لئے حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں کی مثال دی گئی۔ اگر عورت دینی اور اَخلاقی اعتبار سے مَرد کے تابع ہوتی تو ان دو جلیل القدر رسولوں کی بیویاں عذابِ دُنیوی اور سزائے اُخروی کی مستحق قرار نہ پاتیں۔ لیکن ان رسولوں کی بیویاں ہونا اُن کے کچھ کام نہ آیا اور وہ جہنم کی سزاوار قرار پائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

اس پر نظرثانی کی ضرورت محسوس کر لینی چاہئے۔ اور اس بات کی تشخیص بھی ہو جانی چاہئے کہ ہمارے معاشرے کا اصل مرض کیا ہے!

اسلام میں خواتین کا مقام

آپ کو یاد ہو گا کہ میں نے چار پانچ تقاریر "قرآن کی سیاسی تعلیمات" کے موضوع پر کی تھیں۔ پھر ان کا خلاصہ ایک تقریر میں بیان کیا تھا جو ماہنامہ "میثاق" کے مارچ ۱۹۸۲ء کے شمارے میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کے بعد میں نے "اسلام کا معاشرتی نظام" کے موضوع پر بھی چار پانچ تقاریر کی ہیں۔ آج کی تقریر ان تمام تقاریر کا ایک خلاصہ ہو جائے گی جسے کتابی صورت میں بھی شائع کر دیا جائے گا تاکہ آپ حضرات کے سامنے اس مسئلے کے اہم گوشے تحریری شکل میں بھی آ جائیں۔ پھر جو لوگ ان باتوں سے اتفاق رکھتے ہوں اور اس کو معاشرے میں پھیلانا چاہتے ہوں اور خاص طور پر ہماری بہنوں تک اسلام کی تعلیمات پہنچانے کے خواہش مند ہوں تو وہ لوگ اس کتاب کو اس کام کا ذریعہ بنا سکیں تاکہ ہماری بہنیں خود سوچیں کہ: اسلام کیا چاہتا ہے؟ شریعت الٰہی کا منشا کیا ہے؟ اور کن طور طریقوں کو اختیار کر کے اپنی دنیا اور آخرت سنواری جا سکتی ہیں؟

ہمارے معاشرے میں ایک طبقہ تو وہ ہے جو جان بوجھ کر اسلامی احکام اور تعلیمات سے روگردانی کر رہا ہے یا جان بوجھ کر اسے مسخ کر رہا ہے۔ اس طبقے کے لئے تو ہماری گزارشات، تقریریں اور تحریریں لاحاصل ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے، اگرچہ بڑی تلخ ہے، کہ ہماری بعض بہنوں اور بھائیوں کو فی الواقع مغالطہ اور انتشار ذہنی (Confusion) لاحق ہے۔ جب ایک بات بڑے دعوے کے ساتھ اخبارات میں آتی ہے کہ "پورے قرآن مجید میں لفظ حجاب کہیں نہیں آیا ہے" یا یہ کہ "قرآن میں تو صاف صاف اس بات کا ذکر ہے کہ "جو مرد کمائے وہ اس کیلئے اور جو عورت کمائے وہ اس کے لئے" اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن

میں شائع کیا ہے اس سے ہمارے معاشرے کے رخ کا ایک واضح پہلو ہمارے سامنے آگیا ہے جس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارا ماحول، ہماری معاشرت اور ہمارا معاشرہ کس رنگ اور کس نہج پر جارہا ہے اور کیا رجحانات اور میلانات ہمارے تعلیم یافتہ، صاحبِ ثروت اور صاحبِ اقتدار طبقے کے اکثر حضرات و خواتین میں راسخ ہو چکے اور رچ بس چکے ہیں۔ پھر یہ بھی دیکھئے کہ ہمارے ملک کی انتظامی مشینری نے بحیثیتِ مجموعی ان رجحانات و میلانات کا کس طرح ساتھ دیا ہے اور مارشل لاء کے ضابطوں کی کھلم کھلا خلاف ورزی سے کس طرح صرفِ نظر کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ مظاہرہ کرنے والی خواتین میں بعض اعلیٰ مناصب اور جاہ و حشمت رکھنے والے حضرات کی بیگمات اور خواتین شامل تھیں[1]۔ پھر اخبارات میں مضامین اور مراسلات کے ذریعے قرآن و سنّت کی واضح تعلیمات بلکہ نصوصِ قطعیہ کے بالکل برخلاف جو من مانی اور مسخ شدہ تاویلات و تعبیرات سے جس طرح تخفّی بھر کیا گیا ہے وہ بھی ملک کے اخبار بین طبقے کے سامنے ہے[2]۔

یہ تمام باتیں یقیناً ایسی ہیں کہ ہمارے لئے حالات کے رخ کو پہچاننے میں ممد ہیں۔ اور اگر ہمیں واقعتاً اس ملک میں اسلام ہی کو نافذ کرنا ہے تو ظاہر ہے کہ ہمارے لئے معاشرے کے میلانات اور رجحانات کے متعلق صحیح معلومات ضروری ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اپنے معاشرے کے بارے میں اگر ہمیں ایک حسن ظن، خوش گمانی اور اچھی توقع کی کیفیت پیدا ہو رہی تھی تو ہمیں اس ردِّ عمل کی روشنی میں

---

(۱) مراد ہے وہ مظاہرہ جو اخباری اطلاعات کے مطابق "الہدیٰ" بند کرانے کے مطالبے کے لئے جناب گورنر سندھ کی اہلیہ یاسمین عباسی کی زیر قیادت کیا گیا۔ (مرتب)

(۲) اس ضمن میں قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ پریس ٹرسٹ کے زیرِ اہتمام کراچی سے خواتین کے لئے شائع ہونے والے ہفت روزہ میں ایسے مضامین اور مراسلات کثرت سے شائع ہوتے رہے ہیں جن میں ڈاکٹر صاحب کو آڑ بنا کر اسلام کے صریح احکام کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کا انداز اختیار کیا گیا ہے، جبکہ دنیا جانتی ہے کہ پریس ٹرسٹ حکومت کے تحت چلنے والا ادارہ ہے۔ (مرتب)

خبریں آتی رہتی ہیں۔ لہٰذا ہم اس کی تائید میں یا اس کے خلاف کوئی بات کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ لیکن جس چیز کا نام "انقلاب" ہے اس کی جھلک وہاں موجود ہے۔ میں نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ بعینہٖ ایران کی طرز کا انقلاب برپا کرنا میرے پیش نظر ہے۔ میں یہ ضرور کہتا ہوں کہ جیسے انقلابِ فرانس اور انقلابِ روس نے دنیا کو چونکا دیا تھا اسی طرح انقلابِ ایران نے دنیا کو ایک بار پھر چونکا دیا ہے۔ اب ہم انقلابِ فرانس اور انقلابِ روس کو اپنے لئے نمونہ تو نہیں سمجھتے۔ ان میں سے کوئی انقلاب بھی ہمارے لئے قابلِ پیروی اور لائقِ اتباع نہیں ہے۔ میرا عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ انقلاب کسی جزوی تبدیلی یا محض حکمران ہاتھوں کی تبدیلی کا نام نہیں ہوتا' بلکہ ایک نظام کے مقابلے میں بالکلیہ کوئی دوسرا نظام رائج و نافذ ہونے کے عمل کو انقلاب کہا جاتا ہے۔ لہٰذا میری حقیری کوششوں کا ہدف یہ ہے کہ صحیح اسلامی بنیادوں پر انقلاب برپا ہو' جس میں لوگوں کے عقائد بدلیں' ان کے اعمال و افعال بدلیں' ان کی اقدار بدلیں' ان کے شب و روز بدلیں' ان کو دنیا کے مقابلے میں آخرت عزیز ہو' رضائے الٰہی ان کا مقصود و مطلوب بن جائے اور گھر سے لے کر بازار تک اور ایوانِ حکومت سے لے کر بین الاقوامی سطح تک ان کے تمام معاملات اللہ کے دین کے مطابق انجام پائیں۔

مسئلہ کا پس منظر اور پیش منظر

روزنامہ جنگ کے جمعہ میگزین میں شائع ہونے والے میرے انٹرویو میں خواتین سے متعلق میرے نظریات کو جس طرح اچھالا گیا ہے' یہ میرے مستقل تجزیے اور مستقل موقف کے مطابق نہیں ہے۔ بہرحال اس انٹرویو میں شامل چند جملوں پر ہماری خواتین کے ایک طبقے اور ان کے مؤیدین حضرات کی طرف سے جس ردعمل' برافروختگی اور غصے کا اظہار ہوا اور ہمارے بعض مؤقر اخبارات نے ان خواتین و حضرات کے بیانات کو جس طرح پہلے صفحات پر جلی سرخیوں اور چوکھٹوں

مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝﴾ (التحریم: ۱۱)

"اور اللہ ایمان کے معاملے میں فرعون کی بیوی کی مثال پیش کرتا ہے' جبکہ اس نے دعا کی: اے میرے رب! میرے لئے اپنے ہاں جنت میں ایک گھر بنا دے اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے بچالے اور ظالم قوم سے مجھے نجات دے!"

حضرت آسیہ کے لئے فرعون جیسے طاغی و سرکش کی بیوی ہونا بھی کسی نقصان کا موجب نہیں ہوا۔ ان دونوں مثالوں سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ عورت دینی اور اخلاقی حیثیت سے مرد کے تابع نہیں ہے' بلکہ اس اعتبار سے اس کا ایک علیحدہ اور جداگانہ تشخص ہے۔

اسی بات کو نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث سے بھی سمجھئے کہ آنحضرتؐ نے اپنی عزیز ترین بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور آپؐ کی ذاتِ اقدس سے بہت محبت کرنے والی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو خطاب کرکے فرمایا:

((یَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْقِذِیْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ فَاِنِّیْ لَا اَمْلِكُ لَكِ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا' یَا صَفِیَّةُ عَمَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْقِذِیْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ فَاِنِّیْ لَا اَمْلِكُ لَكِ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا))

"اے فاطمہ! محمد ﷺ کی لختِ جگر! اپنے آپ کو (جہنم کی) آگ سے بچانے کی فکر کرو' اس لئے کہ میں اللہ کے ہاں تمہارے کچھ بھی کام نہیں آسکوں گا۔ اور اے صفیہ! رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی' اپنے آپ کو آگ سے بچانے کی فکر کرو' کیونکہ میں اللہ کے ہاں تمہارے کچھ بھی کام نہیں آسکوں گا۔"

وہ مساوات جس کو اسلام تسلیم کرتا ہے

سورۂ آل عمران کے آخری حصے میں فرمایا گیا ہے:

﴿ ....اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ

﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ۭ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝﴾

(التحریم : ۱۰)

"اللہ کافروں کے معاملے میں نوح اور لوط (علیہما السلام) کی بیویوں کو بطور مثال پیش کرتا ہے۔ وہ ہمارے دو صالح بندوں کی زوجیت میں تھیں' مگر انہوں نے اپنے ان شوہروں سے خیانت کی اور وہ اللہ کے مقابلے میں ان کے کچھ بھی کام نہ آ سکے۔ دونوں سے کہہ دیا گیا کہ جاؤ آگ میں جانے والوں کے ساتھ تم بھی چلی جاؤ!"

چنانچہ معلوم ہوا کہ دینی اور اخلاقی لحاظ سے مرد اور عورت کا معاملہ بالکل جدا ہے۔ یہاں ایک ضروری بات پیش نظر رہے کہ یہاں خیانت کا لفظ بدکاری کے مفہوم میں ہرگز نہیں ہے۔ حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اس آیت کی تفسیر میں ابن جریرؒ نے یہ قول روایت کیا ہے کہ "کسی نبی کی بیوی کبھی بدکار نہیں رہی۔ ان دونوں عورتوں کی خیانت دراصل دین کے معاملے میں تھی۔ وہ اپنے شوہروں پر ایمان نہیں لائی تھیں۔ حضرت نوحؑ کی بیوی اپنی قوم کے جباروں کو ایمان لانے والوں کی خبریں پہنچایا کرتی تھی اور حضرت لوطؑ کی بیوی ان کے ہاں آنے والے لوگوں کی اطلاع اپنی قوم کے بدکاروں کو دیا کرتی تھی۔"

اسی سورۃ التحریم میں دوسری مثال فرعون کی بیوی کی پیش کی گئی جن کا نام روایات میں آسیہ آتا ہے۔ فرعون اللہ کا بدترین دشمن' اللہ کا باغی' انتہائی سرکش ـــــ لیکن اس کی بیوی ایسی صاحب ایمان' خدا پرست اور خدا ترس خاتون کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان کو بطور مثال پیش کرتے ہوئے ان کی دعا نقل فرما رہے ہیں:

﴿ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ

ہیں اتنے اور وہی اعلیٰ اوصاف مسلمان خاتون میں بھی ہو سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے اِن میں کوئی فرق و تفاوت نہیں ہے۔ دینی' اَخلاقی اور روحانی ترقی اور اعلیٰ مقامات و مدارج تک پہنچنے کے جتنے بھی مواقع مَردوں کے لئے ہو سکتے ہیں اتنے ہی خواتین کے لئے بھی موجود ہیں۔ ان کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ وہ ان مقاماتِ عالیہ تک نہ پہنچ سکتی ہوں یا اِن اعتبارات سے وہ کم تر درجے کی حامل ہوں۔ پس یہ آیتِ کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ دینی' اَخلاقی اور روحانی لحاظ سے عورت کا تشخص بھی کامل ہے اور مَرد کے ساتھ وہ مکمل مساوات رکھتی ہے۔ اسی طرح سورۃ النساء کی آیت ۳۲ میں فرمایا گیا:

﴿ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ○ ﴾ (النساء:۳۲)

"اور اللہ نے مَرد و عورت میں سے ایک دوسرے کو جو فضیلت دی ہے اس کے لئے ارمان نہ کرو۔ مَرد حصہ پائیں گے اس میں سے جو وہ کمائی کریں گے اور عورتیں حصہ پائیں گی اس میں سے جو وہ کمائی کریں گی۔ اللہ سے اس کی بخشش میں سے حصہ مانگو! بالیقین اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔"

یہاں بھی درحقیقت دینی' اَخلاقی اور روحانی سطح کے موضوع کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ اس آیت میں ایک طرف تو یہ بات واضح ہو گئی کہ قدرت کی طرف سے مَرد اور عورت کو جو خصوصیات ودیعت کی گئی ہیں اُن میں فضیلت کا پہلو کسی ایک ہی کے ساتھ مخصوص نہیں' بلکہ اس لحاظ سے دونوں برابر کے حصہ دار ہیں۔ لیکن فضیلت فضیلت میں فرق ہے۔ لہٰذا یہ تمنا نہ کرو کہ جو فضیلتیں فطرت کے مطابق دی گئی ہیں ان میں مساوات اور یکسانیت ہو۔ ایک دوسرے پر رشک کرنے اور ان کی ریس کرنے کے بجائے ہر ایک اپنی نعمتوں کے حصے پر قانع اور شکر گزار رہے اور ان کا حق ادا کرنے کی کوشش کرے۔ دوسری طرف یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ نیکی اور

بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ﴾ (آل عمران : ۱۹۵)

"..... میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے کسی بھی عمل کو ضائع کرنے والا نہیں ہوں' خواہ وہ عمل کرنے والا مرد ہو خواہ عورت۔ تم سب ایک دوسرے ہی میں سے ہو۔"

مرد و عورت تمدن کی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ ان کی جسمانی ساخت اور نفسیاتی کیفیات مختلف ہیں۔ یہ اختلافات تمدن کی ضرورت کے تحت رکھے گئے ہیں۔ انسان ہونے کے ناطے سے وہ ایک دوسرے کی جنس ہیں' لیکن دینی اور اخلاقی اعتبارات سے دونوں کا جداگانہ اور مستقل تشخص ہے اور وہ اپنی اپنی شخصیت کے ذمہ دار ہیں ——— یہی بات سورۃ الاحزاب میں بڑے ہی پیارے انداز میں آئی ہے' فرمایا گیا:

﴿ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا۝ ﴾ (الاحزاب : ۳۵)

"بالیقین جو مرد اور جو عورتیں مسلم ہیں' ایمان والے اور ایمان والیاں ہیں' مطیع فرمان ہیں' راست گو اور راست باز ہیں' صبر کرنے والے اور صبر کرنے والیاں ہیں' اللہ کے آگے جھکنے والے اور جھکنے والیاں ہیں' صدقہ دینے والے اور صدقہ دینے والیاں ہیں' روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں ہیں' عصمت مآب ہیں' اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں ہیں' اللہ نے ان (مردوں اور عورتوں) کے لئے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔"

اب ذرا غور کیجئے کہ دینی و اخلاقی مساوات کو یہاں کس قدر حسین اور جامع اسلوب سے نمایاں کیا گیا ہے۔ جتنے اور جو بھی اعلیٰ اوصاف مسلمان مرد میں ہو سکتے

بدی کی کمائی کرنے میں مرد اور عورت بالکلیہ آزاد ہیں۔ ہر ایک کو اپنی اپنی کمائی میں سے حصہ ملے گا۔ مرد کی کمائی ہوئی نیکی یا بدی میں عورت حصہ دار نہیں ہوگی اور اسی طرح عورت کی کمائی ہوئی نیکی یا بدی سے مرد کو کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ گویا دینی' اخلاقی اور روحانی اعتبار سے مرد و عورت کا مکمل جداگانہ تشخص ہے اور اس لحاظ سے دونوں میں کامل مساوات ہے۔ دونوں اس میدان میں اپنی اپنی محنت اور لگن سے نیکیاں کما سکتے ہیں' جس کے اجر میں کمائی کرنے والے ہی کا حصہ ہوگا۔ اور جو کوئی ہوائے نفس سے مغلوب ہو کر اور شیطان کے فریب میں آ کر بدی کمائے گا تو اس کا وبال اس کمائی کرنے والے کے سر ہی ہوگا۔

اس آیت پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے' اس لئے کہ ہماری بعض بہنیں اس آیت میں لفظ "کسب" سے بڑے مغالطے میں مبتلا ہو گئی ہیں اور آج کے دور کی "جدید مفسراتِ قرآن" اس لفظ "کسب" سے ہماری سادہ لوح بہنوں کو مغالطے میں مبتلا کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں۔ یہ جدید مفسرات بڑے دھڑلے سے کہہ رہی ہیں کہ اس آیت میں کسب سے مراد یہ ہے کہ معاش کے لئے جس طرح مرد بھاگ دوڑ کر سکتا ہے' کاروبار یا ملازمت کر سکتا ہے اسی طرح عورت کو بھی معاشی جدوجہد میں حصہ لینے کی پوری آزادی اور کھلی چھوٹ ہے۔ میں اس مسئلہ پر آگے قدرے تفصیل سے گفتگو کروں گا' لیکن یہاں یہ جان لیجئے کہ قرآن مجید میں لفظ "کسب" اکثر و بیشتر نیکی یا بدی کمانے کے معنی اور مفہوم میں آیا ہے۔ میرے مطالعے کے مطابق لفظ "کسب" دنیوی کمائی کے لئے صرف سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۶۷ میں مستعمل ہوا ہے' جہاں انفاق فی سبیل اللہ پر زور دیا گیا ہے اور اس کی تاکید کی گئی ہے۔ فرمایا گیا ہے:

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ ﴾

(البقرۃ : ۲۶۷)

"اے اہلِ ایمان! جو مال تم نے کمائے ہیں ان میں سے پاکیزہ اور بہتر حصہ

اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔"

دنیوی رزق کو تو اللہ تعالیٰ فضل قرار دیتا ہے۔ انسان جو کچھ دنیوی رزق اور مال حاصل کرتا ہے اس کے لئے قرآن کی اصطلاح "فضل" ہے، کسب یعنی کمائی نہیں ہے۔ قرآن مجید کی تعلیم یہ ہے کہ بلاشبہ محنت اور مشقت تم کرتے ہو لیکن یہ نہ سمجھنا کہ مجھے جو کچھ ملا ہے وہ میری محنت و مشقت کا حاصل اور ثمرہ ہے، بلکہ یہی سمجھنا کہ یہ اللہ کا فضل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تم محنت کئے جاؤ اور ہاتھ کچھ بھی نہ آئے، مشقت کئے جاؤ اور نتیجہ صفر نکلے ــــ ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ انسان سونے میں ہاتھ ڈالتا ہے اور وہ راکھ بن جاتا ہے، حالانکہ ذہانت و فطانت بھی ہے اور محنت و احتیاط بھی۔ اس کے برعکس ایک وہ شخص ہے جو مٹی میں ہاتھ ڈالتا ہے تو وہ سونا بن جاتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ رزق کی بہم رسانی، اس کی کشادگی اور تنگی من جانب اللہ تعالیٰ ہوتی ہے۔ اور یہ اصل میں اس کا فضل ہے ــــ باقی رہا لفظ "کسب" تو وہ نیکی کمانے اور بدی کمانے دونوں معنوں میں آتا ہے۔ لہٰذا اس آیت ۳۲ میں بھی دینی اور اخلاقی اعتبار سے بات کہی گئی ہے کہ مردوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے (نیکی یا بدی کی) کمائی کی اور عورتوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے (نیکی یا بدی کی) کمائی کی۔ مردوں کی کمائی ان کے لئے ہے۔ اس میں عورتوں کا کوئی حصہ نہیں ہو گا۔ اسی طرح عورتوں کی کمائی ان کے لئے ہے، وہ مردوں کے حساب میں درج نہیں ہو گی۔

یہاں خاص طور پر یہ بات نوٹ کیجئے کہ: "نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا" اور "نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ" کے الفاظ آئے ہیں۔ اگر یہاں لفظ "کسب" دنیوی کمائی کے لئے استعمال ہوتا تو "نصیب" (حصہ) نہ کہا جاتا۔ دنیا میں تو کمائی پوری ملتی ہے۔ مثلاً اگر کسی کاریگر یا مزدور نے تیس روپے روزانہ اجرت طے کر کے کام کیا ہے تو اسے پورے تیس روپے ملیں گے۔ نَصِيبٌ مِّنْهُ یعنی اس کا کوئی جزو یا حصہ نہیں ملے گا۔ اس آیت میں لفظ "نصیب" اس مفہوم کی طرف رہنمائی کر رہا ہے کہ انسان دنیا

میں جو نیکی یا بدی کمائی ہے' ضروری نہیں ہے کہ اس کے مطابق اعداد کی مقدار میں بدلہ بھی مل جائے۔ ہو سکتا ہے کہ نیکی کمانے میں کہیں حسنِ نیت میں کوئی کمی ہو' لہٰذا اس کا اجر کچھ کم ہو جائے۔ ہو سکتا ہے کہ اخلاص پورا ہو تو اسی مناسبت سے اسی نیکی پر اسے دوسروں کے مقابلے زیادہ اجر مل جائے۔ یہ بھی ہو گا کہ کسی کی نیکی کے اثرات معاشرے میں پھیلیں اور کسی کی اسی نیکی کے اثرات اس کی ذات تک محدود رہیں تو اس اعتبار سے اجر و ثواب میں تفاوت واقع ہو جائے گا۔ ان ہی اصولوں کا بدی کمانے کے معاملے پر بھی انطباق کر لیجئے۔

عورت کا قانونی تشخّص

آگے چلئے! یہ بات اپنی جگہ بالکل صحیح ہے کہ تاریخ انسانی میں اسلام نے پہلی مرتبہ عورت کو مستقل قانونی تشخص عطا کیا ہے' Legal Status دیا ہے۔ وہ اپنی ذاتی ملکیت رکھ سکتی ہے۔ اس کو حقِ ملکیت بھی حاصل ہے اور اس پر تصرف کا اختیار بھی ــــ یہ جو قانونی تشخص ہے' یہ اسلام نے عورت کو اس درجے دیا ہے کہ میرے علم میں نہیں ہے کہ کسی اور مذہب نے عورت کا یہ تشخص تسلیم کیا ہو اور اسے عطا کیا ہو۔ روحانی اعتبار سے تو تقریباً تمام مذاہب میں سمجھا گیا ہے کہ "عورت" سرتاپا شر ہی شر ہے' یہ گندگی کی پوٹلی ہے' یہ ہوس کی گانٹھ ہے' یہ برائی اور بدی کا سرچشمہ اور منبع ہے۔ انگریزی لفظ "Evil" (جس کے معنی بدی اور برائی' گنہگار اور شیطان و ابلیس لئے جاتے ہیں) کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ "Eve" سے بنا ہے جو "حوا" کے نام کا انگریزی ترجمہ ہے۔ عیسائیت میں عورت کے متعلق یہی تصورات ہیں جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ جبکہ اسلام کا تصور یہ نہیں ہے' بلکہ اسلام نے عورت کو بھرپور دینی و اخلاقی تشخص کے ساتھ بھرپور قانونی تشخص بھی عطا کیا ہے۔ عورت کو پستی کے مقام سے اٹھا کر اسلام نے کس اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز کیا ہے' اس پر میں آگے قدرے تفصیل سے گفتگو کروں گا۔ یہاں

میں صرف ایک حدیث آپ کو سنانا چاہتا ہوں جس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ دیگر مذاہب میں عورت کے متعلق جو غلط تصورات ہیں ان کا اسلام میں کس طرح ابطال کیا گیا ہے۔ سنن نسائی میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«حُبِّبَ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا النِّسَاءُ وَالطِّيبُ، وَجُعِلَ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ»

"دنیا کی چیزوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب عورت اور خوشبو ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔"

قانونی تشخص میں مساوات نہیں ہے

جو لوگ بھی اسلام کو واقعی ایک مکمل نظام حیات اور زندگی کے ہر معاملے میں کتاب و سنت ہی کو اپنا ہادی اور امام تسلیم کرتے ہیں اور اسی کی رہنمائی کی پیروی کو اپنے لئے دنیا و آخرت میں موجب فوز و فلاح اور سعادت سمجھتے ہیں وہ نوٹ کر لیں کہ اسلام نے عورت کو ایک مکمل قانونی تشخص ضرور عطا کیا ہے، لیکن قانونی سطح پر مرد و عورت کو مساوی اور برابر نہیں رکھا گیا ہے۔ مرد و عورت معنوی اور اخلاقی سطح پر بالکل برابر ہیں، ان کے مابین کامل مساوات ہے، لیکن قانونی طور پر یہ مساوات قائم نہیں رہتی ـــــ اس ضمن میں قرآن مجید سے دو تین چیزیں نمایاں طور پر ثابت ہیں کہ جن سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

① اسلام نے عورتوں (بیٹیوں، بیویوں اور ماؤں) کا وراثت میں حق رکھا ہے اور ان کو حصہ دیا ہے، لیکن برابر نہیں۔ بیٹے کے مقابلے میں بیٹی کا حصہ آدھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾

(النساء:۱۱)

"اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں ہدایت کرتا ہے کہ مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ دو۔"

اسی طرح وراثت کے معاملے میں بھی بات آ جاتی ہے۔ کون شخص ہے جو مسلمان ہونے کا دعویٰ ہو، قرآن پر ایمان رکھنے کا مدعی ہو اور کسی درجے میں قرآن سے واقف ہو، اور یہ نہ جانتا ہو کہ قانونِ وراثت قرآن مجید میں کس قدر تفصیل سے آیا ہے۔ ظاہر ہے کہ عورت کا حصہ یعنی بیوی، ماں، بہن، خالہ، پھوپھی کا جو حق وراثت دیا گیا ہے وہ مرد کے مقابلے میں آدھا ہے۔

پھر اس کا سبب بھی آسانی سے سمجھ میں آ جاتا ہے، وہ یہ کہ اسلام معاشی کفالت کا تمام بوجھ مرد کے کاندھوں پر ڈالتا ہے اور اپنی جسمانی ساخت، توانائیوں اور صلاحیتوں کے لحاظ سے وہی اس بوجھ کو اٹھانے کے لائق اور قابل بھی ہے۔ لہٰذا وراثت میں عورت کے مقابلے میں اس کا دوہرا حصہ رکھا گیا ہے۔ یعنی اگر عورت کو ملے گا وہ اسے بیوی کی حیثیت سے اگر شوہر کے گھر میں جائے گی اور یہ اس کی ذاتی ملکیت ہوگی یا پہلے ہی سے شادی شدہ ہے تو اس کو بہ درجہ ذاتی طور پر مل جائے گا۔ اس کی اپنی کفالت اپنے شوہر کے ذمہ ہے۔ لہٰذا باپ یا ماں کی طرف سے ملنے والا ورثہ اس کی ذاتی ملکیت (Personal Property) کی حیثیت سے رہے گا۔ اس کو شوہر یا اپنے بچوں کی کفالت نہیں کرنی۔ جبکہ بیٹے کو ظاہر بات ہے کہ اپنے خاندان کی کفالت کرنی ہے جس میں بیوی بچے شرعی اور عملی طور پر ماں باپ اور [illegible] ہیں۔ اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے کہ بیٹی کو بیٹے کے مقابلے میں حصہ نصف دیا جائے۔

(۲) آپ کو معلوم ہے کہ قانون میں "شہادت" بڑی اہمیت رکھنے والی چیز ہے۔ شہادت کے بارے میں قرآن سے معمولی شغف رکھنے والا کون شخص ہو گا جو یہ نہیں جانتا ہو گا کہ قرآن کا قانون یہ ہے کہ شہادت کا نصاب یا دو مرد ہیں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہیں۔ یعنی ایک مرد کے ساتھ شہادت کے لیے دو عورتیں ہونی ضروری ہیں۔ ان دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے مساوی شمار کی جائے گی۔ یہ قانون قرآن مجید میں صراحتاً مذکور ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۸۲ میں، جو بڑی طویل آیت ہے، بہت سے قوانین بیان ہوئے ہیں، جن میں قانونِ شہادت بھی شامل

ہے، جس کے ضمن میں فرمایا گیا:

﴿ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ۚ ﴾ (البقرۃ: ۲۸۲)

"اور گواہ بناؤ اپنے مردوں میں سے دو، اگر دو مرد موجود نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم گواہوں میں سے پسند کرو، تاکہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری یاد دلا سکے۔"

ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کو بطورِ گواہ مقرر کرنے کی حکمت بھی بیان فرما دی کہ اگر ایک عورت بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے ـــــ اب آپ سوچئے کہ نسیان مرد کو بھی لاحق ہو سکتا ہے، مرد بھی بھول سکتا ہے اور عورت بھی، لیکن قرآن حکیم کا یہ اسلوب اور انداز بتا رہا ہے کہ نسیان کا زیادہ امکان عورت کے بارے میں ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ مرد و عورت کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے۔ ان کی فطرت کی ساخت بھی اسی کی بنائی ہوئی ہے اور وہ ان کی خلقت سے خوب واقف ہے۔

﴿ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ ﴾ (الملک: ۱۴)

"کیا وہی نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا ہے؟ درآں حالیکہ وہ باریک بین اور باخبر ہے۔"

پس وہی اللہ مرد و عورت کی فطرت کا فاطر ہے۔ وہ عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ لہٰذا اس سے بڑھ کر جاننے والا تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

پھر عورت کے مزاج میں جذبات کا عنصر غالب رکھا گیا ہے اور جذبات ذہول و نسیان کا زیادہ سبب بنتے ہیں ـــــ جذبات کا عنصر مرد میں بھی ہے لیکن اس کی جو نفسیاتی ساخت ہے اس میں یہ عنصر عورت کے مقابلے میں اس پر زیادہ غالب اور قابو یافتہ نہیں ہوتا۔ اس موقع پر یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ

خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد!!
نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد

باقاعدہ جائزہ لینے بیٹھیں تو ہو سکتا ہے کہ آپ کو بہت سے مرد عورتوں سے بھی زیادہ جذباتی نظر آئیں اور بہت سی عورتیں مردوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ سرد مزاج (cool minded) مل جائیں' لیکن یہ استثناء (exception) ہو گا۔ جب آپ اوسط (average) کو سامنے رکھیں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ مرد زیادہ متحمل مزاج ہے اور عورت میں جذبات کا عنصر غالب ہے ___ اور یہ بھی در حقیقت ان فرائض منصبی سے بہت زیادہ مناسبت رکھنے والی چیز ہے جو عورت کے ذمہ کئے گئے ہیں۔ لہٰذا اس اعتبار سے نسیان کا امکان و احتمال مرد کے بہ نسبت عورت میں زیادہ ہے۔ چنانچہ اسی لئے شہادت کا نصاب دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہمارے دین نے مقرر کیا ہے۔ گویا اسلامی قانونِ شہادت میں مرد کی گواہی کے مقابلے میں عورت کی گواہی کو آدھا رکھا گیا ہے۔ یہ گواہی "پوری ایک" اس وقت شمار ہو گی جب دوسری عورت بھی یہی گواہی دینے کے لئے موجود ہو ___ عورت کو اسلام نے ایک قانونی تشخص دیا ہے۔ یہ اسلام کا عورت پر بہت بڑا احسان ہے۔ لیکن یہ معاملہ کہ وہ قانونی تشخص میں مرد کے مساوی ہو تو یہ بات نہیں ہے' بلکہ اس میں فرق و تفاوت ہے' جیسا کہ میں نے قرآنِ حکیم کے دو احکام کی مثالوں سے آپ کے سامنے واضح کیا ہے۔

قابلِ غور بات

اب معاشرتی و اجتماعی دائرے کے اندر مرد و زن کی بلاقید اور کامل مساوات کے قائلین کو سوچنا چاہئے کہ اس طرح تو ان کے نظریۂ مساوات اور اسلامی قوانین میں قدم قدم پر تصادم ہو گا۔ آپ اسلام کی کچھ پابندیوں کو فقہاء یا ملاؤں کا اسلام کہہ کر اس سے پہلو تہی کرنا چاہتے ہیں اور عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق دینے کا نعرہ بلند کرتے

ہیں تو ان قوانینِ صریحہ اور نصوصِ قطعیہ کے بارے میں آپ کیا رویہ اختیار کریں گے جن سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وراثت اور قانونِ شہادت میں عورت کا تشخص مرد کے مقابلے میں آدھا کیا گیا ہے؟ ایک مردِ معقول کو دو راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ پہلا راستہ یہ ہے کہ اس غلط نظریے سے تائب ہو کر سیدھے سیدھے خود کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں دے دے، جیسا کہ قرآن ہر مومن مرد اور مومن عورت سے مطالبہ کرتا ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ﴾ (الاحزاب:۳۶)

"کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی معاملے میں کوئی فیصلہ دے دیں تو پھر اسے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔"

مسلم (جس سے لفظ مسلمان بنا ہے اور ہمارے ہاں رائج ہے) کے معنی ہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے آگے اپنے آزادانہ اختیار سے دستبرداری کے ہیں۔ امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے قرآن مجید کے فارسی ترجمے میں "اسلام" کا ترجمہ "گردن نہادن" کیا ہے۔ اب کسی شخص کا ایک طرف یہ اقرار کہ وہ مسلمان ہے، دوسری طرف اس کا یہ اصرار کہ مرد و عورت کامل اور بلاقید مساوات کے حامل ہیں، باہم متناقض ہیں۔ کوئی ذی عقل انسان ان دو متضاد رویوں کو جمع کرنے کا تصور نہیں کر سکتا۔ مسلمان ہے تو لامحالہ اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا ہوگا۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ جس شخص کے لیے شریعتِ الٰہیہ کی یہ تعلیمات قابلِ قبول نہیں ہیں وہ اسلام کے قلادے کو اپنی گردن سے اتار دے اور پھر جس وادی میں

چاہے بھٹکتا پھرے ـــــ دنیا کے چلن کی پیروی اور زمانے کا ساتھ دینے کا رویّہ اللہ اور رسولﷺ کی اطاعت ہرگز نہیں ہے' بلکہ یہ اپنے ہوائے نفس کی بندگی ہے۔ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے ـــــ مردانگی یہ نہیں ہے کہ ع زمانہ باتو نہ سازد تو با زمانہ بساز! بلکہ اصل جواں مردی تو یہ ہے کہ ع زمانہ باتو نہ سازد تو با زمانہ ستیز!

عورت کی اہم حیثیتیں

عورت بحیثیتِ ماں

اب آیئے عورت کی جو مختلف حیثیتیں ہیں' اس کے اعتبار سے دیکھیں کہ اسلامی تعلیمات کیا ہیں! عورت کی ایک حیثیت تو یہ ہے کہ وہ ماں ہے ـــــ اس معاملے میں تو واقعہ یہ ہے کہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک' ان کے ادب و احترام اور معروف میں ان کی فرمانبرداری کے جو تاکیدی احکام قرآن و سنت نے دیئے ہیں اس کی کوئی نظیر آپ کو کسی بھی دوسرے مذہب یا نظامِ فکر میں نہیں ملے گی۔ یہ احکام آپ کو سورۃ البقرۃ' سورۃ النساء' سورۃ الانعام' سورۂ بنی اسرائیل' سورۃ العنکبوت' سورۂ لقمان اور سورۃ الاحقاف میں مختلف اسالیب سے ملیں گے۔ متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ کے حق کے فوراً بعد والدین کے حق کا ذکر ہوتا ہے۔ مثلاً سورۃ البقرۃ میں فرمایا:

﴿ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۣ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا.. ﴾ (البقرۃ: ۸۳)

"اور یاد کرو' بنی اسرائیل سے جب ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا.."

سورۃ الانعام میں فرمایا:

﴿ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْــــًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ ﴾ (الانعام: ۱۵۱)

"(اے نبیؐ!) ان سے کہہ دیجئے کہ آؤ میں تمہیں سناؤں کہ تمہارے رب نے تم پر کیا پابندیاں عائد کی ہیں! یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔"

سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا:

﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ ﴾

(بنی اسرائیل: ۲۳)

"اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اس کی' اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔"

سورۂ لقمان میں شرک کی مذمت کے بعد فرمایا:

﴿ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰي وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ ﴾ (لقمان: ۱۴)

"اور حقیقت یہ ہے کہ خود ہم نے انسان کو اپنے والدین کے حق کو پہچاننے کی تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھاتے ہوئے اور کمزوری پر کمزوری جھیل کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کے دودھ چھوٹنے میں لگے۔ (اسی لئے ہم نے اس کو نصیحت کی) کہ میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجالا۔"

سورۂ لقمان کی اس آیت کے اسلوب سے واضح ہوتا ہے کہ ماں کا حق باپ کے حق پر فائق ہے۔ لہٰذا حدیث نے اس فوقیت کو واضح کر دیا کہ ماں کا حسن سلوک کا یہ حق باپ کے مقابلے میں کم سے کم تین گنا ہے اور اللہ اور رسولؐ کے بعد سب سے زیادہ احترام و تکریم کی مستحق ماں ہے۔ چونکہ آنحضور ﷺ کا یہ فرضِ منصبی ہے کہ قرآن مجید کے مضمرات کی تبیین فرمائیں' ان کو کھولیں اور واضح کریں:

﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ .. ﴾

(النحل: ۴۴)

"(اے نبیؐ!) اور اب یہ ذکر (قرآن) آپ پر نازل کیا گیا ہے تاکہ آپ اس

کی تشریح و توضیح کرتے جائیں جو لوگوں کے لئے اتاری گئی ہے..."
چنانچہ صحیح بخاری کی حدیث ہے:

سَئَلَ رَجُلٌ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ اَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِیْ؟ قَالَ: ((اُمُّكَ)) قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ((ثُمَّ اُمُّكَ)) قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ((ثُمَّ اُمُّكَ)) قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ((ثُمَّ اَبُوْكَ)) [1]

"ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ! لوگوں میں میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ فرمایا: "تمہاری ماں"! اس نے پوچھا: پھر کون؟ فرمایا: "پھر تمہاری ماں"! اس نے پوچھا: پھر کون؟ فرمایا: "پھر تمہاری ماں"! اس نے پوچھا: پھر کون؟ فرمایا: "پھر تمہارا باپ!"

پھر یہ حدیث تو بڑی مشہور اور بڑی عام ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ اُمَّهَاتِكُمْ)).

"جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔"

صحیحین (بخاری و مسلم) کی ایک روایت ہے:

عَنِ الْمُغِیْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: ((اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَیْكُمْ عُقُوْقَ الْاُمَّهَاتِ)) [2]

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"بلاشبہ اللہ نے تم پر اپنی ماؤں کی نافرمانی اور حق تلفی حرام کر دی ہے۔"

واقعہ یہ ہے کہ دورانِ حمل اور وضعِ حمل میں جو خاص تکلیف اور خاص مشقت عورت اٹھاتی ہے اور جس درد و کرب سے اسے سابقہ پیش آتا ہے اس کا تصور بھی مردوں کے لئے ممکن نہیں ہے۔ یہیں یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب من احق الناس بحسن الصحبة

(۲) صحیح البخاری، کتاب فی الاستقراض واداء الدیون .... باب ماینهی عن اضاعة المال، و کتاب الادب، باب عقوق الوالدین من الکبائر۔ صحیح مسلم، کتاب الاقضیة، باب النهی عن کثرة المسائل من غیر حاجة

عورت کی جسمانی اور جذباتی و نفسیاتی ساخت میں درد و تکلیف کو جھیلنے اور برداشت کرنے کی مرد کے مقابلے میں صلاحیت و قوت بہت زیادہ رکھی ہے۔ اس معاملے میں عورت مرد پر فضیلت رکھتی ہے۔ یہ جذبات کی شدت ہی انتہا کا روپ دھارتی ہے۔ پھر یہ کہ عورت ماں کے علاوہ بیوی' بیٹی اور بہن کی حیثیت سے بھی ٹوٹ کر محبت کرتی ہے۔ پھر بچے کی رضاعت' اس کی نگہداشت اور تربیت میں ماں کو اہم کردار ادا کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا ان تمام اعتبارات سے احترام و تکریم' فرمانبرداری اور حسن سلوک کے معاملے میں ماں کے حقوق باپ کے مقابلے میں تین درجے مقدم رکھے گئے ہیں۔

اس موقع پر میں ایک اہم بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ہمیں معروضی طور پر (objectively) دیکھنا چاہئے کہ اسلام کا منشاء کیا ہے۔ شریعت و قانونِ اسلام کا رجحان و میلان کیا ہے! یہ بات جان لیجئے کہ اسلامی قانون کے اعتبار سے اولاد باپ کی ہے' ماں کی نہیں ہے۔ طلاق اگر ہو جائے تو اولاد پر ماں کا کوئی قانونی استحقاق (claim) نہیں ہے' وہ والد کی ہے۔ بلکہ سورۃ البقرۃ میں جہاں طلاق کی صورت میں رضاعت کے جو تفصیلی احکام آئے ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شیر خوار بچہ ہے تو بھی باپ کی مرضی پر موقوف ہے کہ اپنے بچے کی ماں سے' جس کو وہ طلاق دے چکا ہے' دودھ پلوائے اور رضاعت کے دوران عورت کے نان نفقہ کا پورا انتظام کرے' لیکن اگر باپ کی مرضی ماں سے دودھ پلوانے کی نہ ہو تو قانونی طور پر اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ماں سے بچہ لے لے اور اپنے طور پر اس کی رضاعت کا انتظام کرے۔ تو قانون کا معاملہ یہ ہے۔ اس کو اولیت کہہ لیں' اقدمیت کہہ لیں' افضلیت کہہ لیں' وہ باپ کی ہے۔ لیکن حسن سلوک' ادب و احترام اور اخلاقی معاملے کو اس طرح متوازن (balance) کیا گیا ہے کہ ماں کو تین درجے مقدم رکھ دیا گیا اور اس طرزِ عمل کے نتیجے میں جنت کی بشارت دی گئی ——
واقعہ یہ ہے کہ یہ ان چیزوں میں سے ایک چیز ہے کہ جن پر جب ہم غور کرتے ہیں تو

قلبی یقین ہو جاتا ہے کہ شریعت کا مکمل قانون اللہ ہی کا دیا ہوا ہے۔ عقلِ انسانی اس طرح کے معاملات کو حل نہیں کر سکتی ـــــ قانونی اعتبار سے اگر مرد کو تشخص نہ دیا جائے تو خاندانی نظام ہمواری سے اور smoothly نہیں چل سکتا' اس میں خلل واقع ہو جائے۔ اس کو بھی مضبوط رکھنا ہے۔ لیکن اگر قانونی اعتبار سے کسی کو زیادہ اختیار دے دیا گیا ہے تو اس کی تلافی کرنے اور متوازن رکھنے کا اخلاقی سطح پر پورا پورا اہتمام کیا گیا ہے۔ للذا تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ نظامِ عدل و قسط کسی حکیم مطلق ہستی ہی کا تجویز کردہ ہے' کسی انسان کے بس کی یہ بات نہیں۔

ہماری بہنوں کے لئے لمحۂ فکریہ

اس موقع پر میں عرض کروں گا کہ ہماری ان بہنوں کو جو مغربی تہذیب سے مرعوب ہیں اور اس کی نقالی اور کورانہ پیروی ہی کو اپنے حق میں مفید گمان کرتی ہیں' ٹھنڈے دل سے اور سنجیدگی سے سوچنا چاہئے کہ جوانی کے بعد بڑھاپے کا بھی ایک دَور آنے والا ہے۔ اگر مغربی تہذیب سے شیفتگی اور دلدادگی ہو گئی ہے تو ان کو یورپ اور امریکہ جا کر دیکھنا چاہئے کہ وہاں بڑھاپے میں والدین کا حشر کیا ہوتا ہے۔ وہاں ان کی کسمپرسی کا کیا عالم ہے! وہاں جانے کے وسائل نہ ہوں تو ایسا لٹریچر موجود ہے جس کے مطالعے سے اس ذہنی کرب و اذیت کی تصویر ان کے سامنے آ جائے گی جس سے اُس معاشرے کے والدین کو سابقہ پیش آتا ہے اور جس سے ان کا بڑھاپا دوچار ہوتا ہے۔ ان کے سامنے یہ تلخ حقیقت آ جائے گی کہ والدین کی تکریم و عزت' ان کی فرمانبرداری اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی کوئی رمق بھی اس معاشرے میں موجود نہیں ہے اور والدین کی رائے' پسند اور ان کی مرضی کو اس معاشرے میں پرِ کاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دی جاتی۔ بیٹا اور بیٹی سینہ تان کر اپنے روز و شب کے بے راہ روی کے مشاغل پر جحت و تحیص (argue) کرتے ہیں۔ وہاں کوئی باپ یا ماں اپنی اولاد کے بے حساب معاشقوں (courtships) اور آزادانہ اختلاط پر کوئی

نکیر نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی گرفت کریں گے تو منہ کی کھائیں گے۔

پھر ایک دور وہ بھی آتا ہے کہ والدین اولاد کی شکل دیکھنے کے لئے ترستے اور تڑپتے رہتے ہیں اور ان کا بڑھاپا اس حسرت میں گزرتا ہے کہ اولاد کبھی آکر ان سے مل ہی لے۔ بوڑھے والدین' خاص طور پر بوڑھی ماں کے لئے یہ بات سوہانِ روح ہے کہ ان کی اولاد بات کرنا تو درکنار صورت دکھانے کی بھی روادار نہیں اور احساسِ تنہائی اس آخری عمر میں ان کی جان کا لاگو بنا رہتا ہے۔ ٹھیک ہے کہ وہاں ایسے بوڑھوں کے لئے جن کا گزر اوقات کے لئے ذاتی طور پر کوئی انتظام نہ ہو' حکومت کی سطح پر ہوسٹلوں کا اہتمام کیا گیا ہے' ان کے لئے علیحدہ ادارے قائم کر دیئے گئے ہیں جہاں ان کی دل بستگی کے لئے indoor تفریحات مہیا کی جاتی ہیں' ریڈیو اور ٹیلی ویژن فراہم کئے جاتے ہیں' لیکن ان تفریحات سے لطف اندوز ہونا شے دگر ہے اور اپنے بیٹے یا بیٹی کو دیکھنا' ان سے باتیں کرنا بالکل دوسری بات ہے۔ اس کے لئے وہ ترستے اور تڑپتے رہتے ہیں۔ کم و بیش یہی حال یہاں کے خوش حال گھرانوں کے بوڑھے والدین کا ہے۔ کمیت کا فرق ہو تو ہو' کیفیت و نوعیت میں کوئی فرق نہیں ـــــ اگر اس تہذیب کو اختیار کرنا ہے تو پھر ان نتائج کے لئے تیار رہنا چاہئے جو وہاں نکل چکے ہیں اور یہاں بھی نکل کر رہیں گے۔ وہاں جو نتائج نکلے ہیں ان کا وہاں جا کر بچشم سر مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ کوئی محض نظری اور خیالی باتیں نہیں ہیں' بلکہ حقائق ہیں جن کی تصدیق (verification) مشکل نہیں ہے۔

اسی "مساواتِ مرد و زن" کے نظریے کا ایک دلگداز (pathetic) منظر آپ کو وہاں یہ نظر آئے گا کہ بسوں' ٹرام گاڑیوں اور ٹرینوں میں بوڑھی عورتیں کھڑے ہو کر سفر کرتی ہیں اور ان کے لئے کوئی ہٹا کٹا جوان بھی سیٹ چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتا۔ اگر "مساوات" ہے تو ٹھیک ہے' جو پہلے آگیا اور سیٹ پر قابض ہو گیا تو آخر وہ کس بنیاد پر کسی عورت کے لئے' خواہ وہ بوڑھی ہی کیوں نہ ہو' اپنی سیٹ چھوڑے! ـــــ ہاں اگر کوئی فلرٹ قسم کی نوجوان خاتون ہو تو شاید وہ اس کو اپنی سیٹ دے دے۔ لیکن ظاہر

ہے کہ اس کے پیچھے انسانی ہمدردی نہیں ہو گی' بلکہ شیطانی جذبہ کار فرما ہو گا۔ ہماری جو بہنیں مغرب سے درآمد شدہ باطل نظریۂ مساواتِ مَرد و زن کی چمک دمک سے خیرہ ہو کر' اس کی علمبردار بن کر سڑکوں پر مظاہرہ کرنے نکل آئی ہیں ان کو اس فاسد نظریئے کے ان نتائج کے لئے بھی تیار رہنا چاہئے۔

علامہ اقبال مرحوم نے اس مغربی تہذیب کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ اِس دَور اور اُس دَور میں نصف صدی سے بھی زیادہ طویل عرصہ حائل ہے۔ اِس وقت تو یہ تہذیب کہیں زیادہ "ترقی یافتہ اور آزاد خیال" ہے۔ اپنے دَور کی تہذیب کی عکاسی علامہ مرحوم نے اپنے اشعار میں کی ہے اور ملت اسلامیہ کو اس سے حذر اور اجتناب کا پیغام دیا ہے۔ خاص طور پر مسلمان عورت کے لئے اقبال کے اشعار میں جو پیغام ہے اسے عالم اسلام کے جید مفکر و عالم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے اپنی تالیف "نقوشِ اقبال" میں پیش کیا ہے۔[1] مغربی تہذیب کے بارے میں علامہ مرحوم کہتے ہیں ؎

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صنّاعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

اپنے ایک لیکچر میں انہوں نے اس کے لئے

The Dazzling Exterior of the Western Civilization

یعنی "مغربی تہذیب کا چکا چوند ظاہر" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

عورت بحیثیتِ بیٹی

اب ذرا دیکھئے اسلام نے بحیثیت "بیٹی" عورت کو کیا مقام دیا ہے۔ بعثتِ نبویؐ سے قبل کا عرب کا ماحول ذہن میں لائیے کہ بیٹی کی ولادت پر باپ کا کیا حال ہوتا تھا! بیٹی کی پیدائش کو وہ اپنے لئے ننگ و عار سمجھتا تھا اور لوگوں سے اپنا چہرہ چھپائے پھرتا

---

(۱) یہ اشعار کتاب کے آخر میں بطور ضمیمہ شامل ہیں۔

تھا ـــــ بالآخر اس کا یہ جھوٹا احساسِ شرمندگی اور ندامت اس کو اس شقاوت پر آمادہ کر لیتا تھا کہ وہ اس پھول سی بچی کو کسی گڑھے میں دبا دیتا اور اسے زندہ درگور کر دیتا تھا' پھر اپنے اس بہیمانہ و ظالمانہ فعل پر فخر کرتا تھا۔ ان کی اس رسمِ بد پر سورۃ التکویر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس انداز میں نکیر کی گئی ہے :

﴿ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ○ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ○ ﴾

(التکویر : ۸'۹)

"(قیامت کے دن کیا حال ہو گا) جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی؟"

مزید برآں اس وحشت ناک رسم کا چونکا دینے والے اسلوب سے سورۃ النحل میں یوں نقشہ کھینچا گیا:

﴿ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ○ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ ﴾ (النحل :۵۸'۵۹)

"جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کے چہرے پر سیاہی اور کلونس چھا جاتی ہے اور وہ بس خون کا سا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ اس خبر کے بعد کیا کسی کو منہ دکھائے' سوچتا ہے کہ ذلت کے ساتھ بیٹی کو لئے رہے یا مٹی میں دبا دے۔"

بعثتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بعد اسلام نے کس طرح اس صورتِ حال میں انقلاب برپا کیا ہے' اس کا نقشہ کتبِ احادیث و سیر میں دیکھئے۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ تعلیم دی کہ بیٹی کا باپ ہونا ہرگز موجبِ عار نہیں ہے بلکہ موجبِ سعادت ہے۔ امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے :

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَنَا وَهُوَ» وَضَمَّ اَصَابِعَهٗ (۱)

---

(۱) صحیح مسلم' کتاب البر والصلۃ والآداب' باب فضل الاحسان الی البنات

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی' یہاں تک کہ وہ بلوغ کو پہنچ گئیں تو قیامت کے روز میں اور وہ اس طرح آئیں گے"۔
آپ ﷺ نے اپنی انگشت شہادت کو ساتھ والی انگلی سے ملا کر دکھایا۔
صحیح مسلم ہی میں یہ روایت بھی ہے:
((مَنِ ابْتُلِيَ مِنَ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ))[1]
"جس کے ہاں لڑکیاں پیدا ہوں اور وہ ان کی اچھی طرح پرورش کرے تو یہی لڑکیاں اس کے لئے دوزخ سے آڑ بن جائیں گی۔"

کہاں وہ عالم کہ وہ معاشرہ بیٹی کا باپ ہونا باعث ننگ و عار اور شرم سمجھتا تھا' کہاں یہ عالم کہ اس معاشرے میں یہ بات دلوں میں راسخ ہو گئی کہ اگر کوئی بیٹیوں کی خوش دلی کے ساتھ 'شفقت و محبت کے ساتھ پرورش کرتا ہے تو اس کے لئے قیامت میں آنحضور ﷺ کی قربت اور نارِ جہنم سے رستگاری کی بشارت اور نوید ہے۔

پھر دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بیٹیاں دیں۔ ایک نہیں چار بیٹیوں کا باپ بنایا۔ بیٹے دیئے بھی ہیں تو ان کو بالکل نو عمری ہی میں لے بھی لیا گیا ـــــ میں سمجھتا ہوں کہ اس میں بھی ایک حکمت ہے' وہ یہ کہ نبی اکرم ﷺ کا اسوہ اس اعتبار سے ان لوگوں کے لئے "مرہم" اور موجبِ اطمینان بن جائے جن کو اللہ تعالیٰ نے بیٹا نہ دیا ہو اور صرف بیٹیاں ہی دی ہوں۔ ان کے دل میں بیٹوں کی حسرت ہو تو وہ دیکھ لے نبی اکرم ﷺ کو جو چار بیٹیوں کے باپ تھے۔ اس میں اور بھی حکمتیں ہوں گی' واللہ اعلم' یہاں ان کا احاطہ یا احصاء مقصود نہیں ہے ـــــ جب آپؐ کے صاحبزادے حضرت قاسم کا بچپن میں انتقال ہو گیا اور اولادِ ذکور نہ رہی تو مشرکینِ مکہ نے طعنہ دیا تھا کہ محمدؐ تو (معاذ اللہ) ابتر ہو گئے' ان کی تو جڑ کٹ گئی' کیونکہ خاندان تو بیٹوں سے آگے چلتا ہے۔ اس پر سورۃ الکوثر میں یہ وعید آئی:

﴿ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝ ﴾

---

(۱) صحیح مسلم' کتاب البر والصلۃ والآداب' باب فضل الاحسان الی البنات

"بلاشبہ تمہارا دشمن ہی جڑ کٹا ہے۔"

آپ کو تو اے نبیؐ ہم نے "الکوثر" (خیر کثیر) عطا کیا ہے۔ جس سے یہ بھی مراد لی جا سکتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی معنوی اور روحانی اولاد اتنی ہو گی کہ آسمان کے تاروں اور زمین کے ریت کے ذرّوں کی طرح گنی نہ جا سکے گی۔ دشمنوں کے اس طعنے کا جواب وہ رویّہ ہے کہ چاروں بیٹیوں کو آنحضور ﷺ نے نہایت محبت و شفقت کے ساتھ پرورش فرمایا ہے۔ اور ان سے آپؐ کو جو اُنس تھا وہ سیرت مطہرہ کا مطالعہ کرنے والے ہر قاری کو معلوم ہو گا۔ خاص طور پر آنجناب ﷺ کو حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے جو محبت تھی اس کا یہ عالم تھا کہ جب وہؓ شادی کے بعد آنحضور ﷺ کی خدمت میں آتی تھیں تو نبی اکرم ﷺ ان کے لئے کھڑے ہو جایا کرتے تھے' ان کے لئے جگہ چھوڑ دیتے تھے' اپنی چادر انؓ کے لئے بچھاتے تھے اور بااصرار اُس پر اُنؓ کو بٹھاتے تھے ـــــ پھر آپؐ اپنی بیٹیوں کے لئے "بِضْعَۃٌ مِنِّی" یعنی "میرے جگر کا ٹکڑا" کے الفاظ استعمال فرماتے ہیں ـــــ بیٹیوں کے ساتھ محبت و شفقت اور عزّت و احترام کا معاملہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے عملاً کر کے دکھایا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس میں یہ حکمت ہے کہ پوری دنیا کو معلوم ہو جائے کہ بیٹیوں کا وجود ہرگز موجب شرم نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے اس طرزِ عمل نے بیٹی کو ذلّت و عار کے مقام سے اٹھا کر اس عزت و احترام کے مقام بلند پر فائز فرما دیا جس کی نظیر تو درکنار ہلکی سی جھلک بھی دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ہے' بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے کہ عورت کو سر تاپا شر ہی شر سمجھا گیا ہے' جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔

پھر آپ ﷺ نے اپنی تین پیاری بیٹیوں کی شادیوں کے لئے ان حضرات کا انتخاب فرمایا جو بنی نوع انسان کے گلِ سرسبد تھے' یعنی حضرات عثمان و علی رضی اللہ عنہما۔ بڑی بیٹی کا بعثت سے قبل جن صاحب سے نکاح کیا تھا وہ بھی دولتِ اسلام اور صحابیت کے شرف سے مشرف ہوئے۔ میری مراد حضرت ابو العاصؓ بن ربیع لقیط رضی اللہ عنہ سے ہے ـــــ ہماری وہ بہنیں جو مغربی تہذیب کی چکا چوند سے متاثر ہیں' جس کی اصل حیثیت

سراب سے زیادہ کچھ نہیں ہے' ذرا تقابل تو کریں مغربی تہذیب کے دیئے ہوئے مقام کے ساتھ اس مقام کا جو اسلام نے بیٹی کو دیا! وہاں جب بیٹیاں بالغ ہو جاتی ہیں تو ان کو عموماً گھر سے نکال دیا جاتا ہے۔ ان سے کوئی سروکار نہیں رکھا جاتا کہ وہ کس حال میں ہیں' یہ ان کا ذاتی معاملہ ہے' اب وہ خود کمائیں اور کھائیں' اپنے لئے خود شوہر تلاش کریں' جتنے چاہیں courtship کریں' والدین کو اس سے کوئی غرض نہیں۔ جب بیٹیوں کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا ہے تو قیاس کر لیجئے کہ بیٹوں کے ساتھ کیا کچھ نہ ہوتا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ اور امریکہ میں آزادانہ جنسی اختلاط عام ہے اور معاشقے کی شادیوں کا انجام اکثر طلاق پر منتج ہوتا ہے۔ پھر اسی صورتِ واقعہ کا نتیجہ اس سلوک کی شکل میں برآمد ہوتا ہے جو اس معاشرے میں بوڑھے والدین کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے جس کا میں ذکر کر چکا ہوں۔

عورت بحیثیتِ بیوی

اب آیئے عورت کی تیسری حیثیت کے بارے میں اسلام کے نقطہء نظر کی طرف جو اس کے بیوی ہونے کے اعتبار سے ہے۔ جس طرح میں نے آپ کو والد اور والدہ کے متعلق بتایا کہ قانون کے معاملے میں والد کو اور حسن سلوک کے معاملے میں والدہ کو فوقیت حاصل ہے' یہی صورت حال ہمیں اسلام کے عائلی نظام میں شوہر اور بیوی کے معاملے میں نظر آتی ہے۔ قانونی اعتبار سے مَرد کو عورت پر حاکم بنایا گیا اور غلبہ دیا گیا ہے۔ میں نے لفظ "حاکم" جان بوجھ کر استعمال کیا ہے' کیونکہ امر واقعہ یہی ہے کہ اسلام نے شوہر کو عائلی نظام میں حاکمیت کے مقام پر فائز کیا ہے اور قرآن نے اس کے لئے لفظ "قوّام" استعمال کیا ہے۔ ماہرین لغتِ عربی نے اس لفظ کو راعی' محافظ' حاکم اور کفیل کے معانی اور مفاہیم کا حامل بتایا ہے۔ لہٰذا اس لفظ "قوّام" کا صحیح مفہوم و مطلب ہو گا وہ شخص جو کسی فرد یا ادارے یا نظام کے معاملات کو صحیح و درست طور پر چلانے اور اس کی حفاظت و نگہداشت کرنے اور

اس کی احتیاجات و ضروریات مہیا کرنے کا ذمہ دار ہو ـــــ قرآن نے سورۃ النساء کی آیت ۳۴ میں یہ اٹل، مستقل اور غیر متبدل اصول بیان فرمادیا ہے کہ :

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاۗءِ ﴾ (النساء:۳۴)

"مرد عورتوں پر قوام ہیں۔"

مراد ہیں شوہر اور بیوی۔ آیت کا سیاق و سباق اسی پر دلالت کرتا ہے۔ اس اصول اور قانون کی علت اور حکمت کو اسی آیت میں آگے بیان کیا گیا ہے جس پر میں ان شاء اللہ آگے گفتگو کروں گا۔ یہاں میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جہاں قانونی طور پر مرد کو حاکم بنایا گیا ہے وہاں نبی اکرم ﷺ نے اخلاقی سطح پر اپنی بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی اتنی تاکید فرمائی ہے کہ اس مختصر سے وقت میں تمام احادیث کا احاطہ ممکن نہیں۔ میں چند احادیث پیش کرنے پر اکتفا کروں گا جن سے آپ کے سامنے وہ توازن آجائے جو اخلاقی حیثیت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا ہے تاکہ قانونی طور پر حاکم ہونے کی حیثیت سے مرد اپنی بیویوں پر تعدی اور زیادتی سے اجتناب کر سکیں۔ ایک حدیث مسلم شریف میں ہے :

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ : ((اَلدُّنْیَا مَتَاعٌ وَخَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا الْمَرْاَۃُ الصَّالِحَۃُ)) (۱)

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دنیا کُل کی کُل برتنے کی چیز ہے، اور اس دنیا کی بہترین متاع نیک عورت (بیوی) ہے۔"

یعنی لوگو! جان لو کہ اس دنیا کی زندگی کے گزارنے اور برتنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں دی ہیں ان میں سب سے بڑی نعمت نیک بیوی ہے۔ قدر و قیمت کے تعین کا یہ انداز سبحان اللہ! دنیا میں انسان کو بہت سی چیزیں مرغوب ہوتی ہیں اور ان سے دلی لگاؤ ہوتا ہے۔ مال ہے، دولت ہے، جائیداد ہے، جاہ و حشمت ہے، وجاہت ہے، بیٹے

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب خیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ

کے ساتھ ناروا سلوک کیا ہے' ان کی عزتِ نفس کو ٹھیس پہنچائی ہے' ان کے اس قانونی تشخص کی حق تلفی کی ہے' ان کے اِن اخلاقی حقوق کی جو اللہ نے دیئے ہیں' رعایت اور پاسداری نہیں کی ہے تو ان وجوہ سے خواتین کے ردِ عمل اور اس سے جو برائی جنم لے گی' اللہ کی عدالت میں اس کی ذمہ داری ان لوگوں پر آئے گی جو اپنے طرزِ عمل کو اس تعلیم و تلقین کے مطابق نہیں رکھ رہے ہیں جو کتاب و سنت اور شریعت نے دی ہے۔

یہ تو ایک ضمنی گفتگو تھی' اب آیئے اصل موضوع کی طرف ـــــ میں عرض کر رہا تھا کہ خاندان کے ادارے کو مستحکم کرنے کے لئے اسلام نے مرد کو برتری اور فضیلت عطا کی ہے اور اس کے لئے قرآن مجید میں لفظ "قوام" استعمال ہوا ہے۔ اس سطح پر آ کر مرد اور عورت ہرگز مساوی نہیں ہیں۔ اس معاملے میں مساوات کا تصور عقل کے بھی بالکل خلاف ہے' اس لئے کہ خاندان در اصل ایک انتظامی ادارہ (unit) ہے اور کسی بھی انتظامی ادارے میں مساوی اختیارات کے حامل دو سربراہ نہیں ہو سکتے۔ یہ ممکن ہی نہیں' قطعی ناقابل عمل بات ہے۔ آپ پورے انسانی تمدن کا جائزہ لے لیجئے! بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے ادارے کو سامنے رکھ لیجئے کہ کیا کوئی ایسا ادارہ موجود ہے کہ جس کے سربراہ دو ہوں اور بالکل مساوی اختیارات رکھتے ہوں؟ بالفرض کہیں یہ حماقت کی گئی ہو تو پھر وہ ادارہ صحیح طور پر اپنا کام انجام نہیں دے سکتا۔ یہ ناممکن ہے' محالِ عقلی ہے۔ لہٰذا اگر یہ مقصد پیش نظر ہو کہ خاندان کے ادارے کو مستحکم کیا جائے' مضبوط بنایا جائے جیسا کہ اسلام چاہتا ہے اور اس کا عین منشاء ہے' تو ظاہر بات ہے کہ قانون اور اختیار دونوں اعتبارات سے خاندان میں کسی ایک فرد کو برتری دینا ہوگی' اس کے بغیر خاندان کا ادارہ نہ مستحکم ہو سکتا ہے اور نہ وہ وظیفہ انجام دے سکتا ہے جو اس کے ذمہ ہے۔

مرد کی قوامیت کی اساسات

قرآن حکیم سے واضح ہوتا ہے کہ تین اساسات اور تین بنیادوں کی وجہ سے یہ

برتری اور یہ اختیار مرد کو حاصل ہے۔ اس ضمن میں چند آیات ایک خاص تدریج و ترتیب کے ساتھ میں آپ کے سامنے رکھوں گا' آپ سے درخواست ہے کہ ان پر خصوصی توجہ مرکوز رکھیں۔

پہلی اساس : آپ کو معلوم ہے کہ اسلامی شریعت کا بنیادی خاکہ (Blue Print) ہمیں سورۃ البقرۃ میں ملتا ہے۔ وہاں ہمیں آیت ۲۲۸ کے آخری حصے میں یہ اساس ملتی ہے۔ فرمایا :

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۝ ﴾ (البقرۃ : ۲۲۸)

"عورتوں کے لئے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں' البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ (ترجیح کا) حاصل ہے' اور (سب پر) اللہ غالب اقتدار رکھنے والا اور حکیم و دانا موجود ہے۔"[1]

حقوق و فرائض کا ایک توازن بھی اس آیت میں بیان ہو گیا اور مرد کی ترجیح

---

(۱) مرد و زن کی مساوات کی جو بحث آج کل اخبارات میں چل رہی ہے اس میں اس دور کی چند "مفسرات قرآن" نے اس آیت کے صرف اس حصے ﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ کو بنیاد بنا کر اس بات پر پورا زور استدلال صرف کیا ہے کہ قرآن تو مرد و عورت کی مساوات کا قائل ہے' یہ تو رجعت پسند لوگوں کی من گھڑت تاویل ہے کہ مرد کو عورت پر بالادستی حاصل ہے۔ ان "مفسرات" کو آیت کا اگلا حصہ ﴿ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾ قرآن میں نظر نہیں آیا۔ یہ بالکل اسی نوع کی جسارت ہے جیسے کوئی بدبخت "لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ" سے یہ استدلال کرے کہ قرآن تو نماز کے قریب جانے سے منع کرتا ہے اور "اَنْتُمْ سُکٰرٰی" والے حصے کو چھوڑ دے۔ ایسی جسارت اس معاملے میں بھی کی گئی ہے کہ اگلے حصے ﴿ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾ اور مردوں کو عورتوں پر ترجیح حاصل ہے" کو چھوڑ کر مرد و زن کے کامل مساوات کے نظریے کو قرآن سے منسوب کیا گیا ہے۔ یہ اللہ کی کتاب کے ساتھ بہت بڑی گستاخی ہے جو تجدد پسند اور مغرب کے ذہنی غلاموں کی طرف سے کی جا رہی ہے۔ ﴿ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا ﴾

(حاشیہ از شیخ جمیل الرحمٰن مرحوم' ۱۹۸۲ء)

وفضیلت اور درجہ بندی بھی ظاہر ہو گئی۔ ساتھ ہی یہ تنبیہہ بھی کر دی گئی کہ حقوق و فرائض کے ضوابط کی صحیح ادائیگی کی نگرانی کے لئے وہ ہستی موجود ہے جو العزیز (غالب و زبردست) ہے اور جس نے کامل حکمت کے ساتھ یہ درجہ بندی کی ہے۔
"لام" اور "علٰی" کے حروفِ جار کے متعلق میں کئی بار عرض کر چکا ہوں کہ "لام" کسی کے حق میں کوئی چیز اور "علٰی" کسی کے خلاف جانے یا کسی پر عائد ہونے والی کسی چیز کے لئے آتا ہے۔ تو فرائض کو تعبیر کیا جائے گا "علٰی" سے۔ یہ فریضہ مجھ پر عائد ہوتا ہے' اور حق کی تعبیر کے لئے "لام" آئے گا یعنی یہ میرا حق ہے۔ ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ جیسے کچھ ان کے فرائض ہیں جو ان (عورتوں) پر عائد کئے گئے ہیں اسی کی مناسبت سے شریعت اسلامی نے معروف طور پر ان کو حقوق بھی عطا کئے ہیں' لیکن ایک اصول یہ بھی بتا دیا گیا : ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ یہ بات جان لو کہ مردوں کو ان (عورتوں) پر ایک درجہ (فضیلت کا) حاصل ہے۔ گویا یہاں پیشگی ایک رہنما اصول (Directive Principle) بیان کر دیا گیا۔ جیسے آپ کو معلوم ہو گا کہ شراب اور جوئے کے معاملے میں سورۃ البقرۃ میں پہلا اصول یہ بیان ہوا ہے کہ :

﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۚ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ ﴾ (البقرۃ : ۲۱۹)

"اے نبی! یہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھ رہے ہیں' تو ان سے کہہ دیجئے کہ ان میں کچھ منفعتیں بھی ہیں' لیکن ان میں گناہ اور برائی کا عنصر منفعتوں سے زیادہ ہے۔"

بات یہیں چھوڑ دی۔ ابھی حرمت کا حکم نہیں دیا گیا' لیکن ایک سمت (Direction) معین ہو گئی کہ بات کس طرف جا رہی ہے جو ۲۱۹ آیت کا ہے! ــــــ اسی طرح سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۲۸ میں ہو اشارہ معین کر دیا گیا کہ ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ "جان لو کہ مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ (فضیلت کا) حاصل ہے" ــــــ سورۃ

النساء کی آیت ۳۲ میں یہ مضمون زیادہ واضح ہو کر آتا ہے، جس کا ایک حوالہ میں پہلے بھی دے چکا ہوں۔ یہاں فضیلت کا فلسفہ اس اسلوب سے ہمارے سامنے آتا ہے کہ:

﴿ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴾

"اور اللہ تعالیٰ نے تم میں بعض کو بعض پر جو فضیلت دی ہے اس کی تمنا نہ کرو!"

تمام قدیم و جدید مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہاں حتمی اور قطعی طور پر وہ فضیلت مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر عطا فرمائی ہے۔ اسی آیت کا اگلا حصہ اس کو صراحت کے ساتھ کھول دیتا ہے کہ:

﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ﴾

"مردوں کے لئے ان کی کمائی میں سے حصہ ہے اور عورتوں کے لئے ان کی کمائی میں سے حصہ ہے"

یعنی نیکی اور بدی کمانے کے دونوں کو مواقع حاصل ہیں۔ تمنا کا حاصل کچھ نہیں ہو گا، سوائے اس کے کہ انسان پیچ و تاب کھائے اور اس کی صلاحیت ضائع ہو۔ اس تمنا کی کوئی productive حیثیت نہیں ہو گی، یہ محض ضیاع ہو گا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے تخلیق میں مرد کو عورت پر فضیلت دی ہے تو اسے کھلے دل سے تسلیم کیجئے۔ اس کی تمنا کرنے اور اس پر پیچ و تاب کھانے کے بجائے اس بات کو مستحضر رکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو صلاحیتیں، توانائیاں اور قوتیں دی ہیں اور مجھ پر جو فرائض و حقوق عائد کئے ہیں، آخرت میں میرا محاسبہ اس کے اعتبار سے ہو گا۔ انسان کی یہ طبعی کمزوری ہے کہ وہ فضیلت کے معاملے کو آسانی سے قبول نہیں کرتا۔ مردوں کو عورتوں پر بحیثیت مجموعی فضیلت ہے تو اس کے بارے میں عورتوں میں کمتری کے احساس کا پیدا ہونا فطری ہے۔ اس کے ازالے اور علاج کے لئے فرمایا گیا ہے:

﴿ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ

نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۖ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۖ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ ﴾

(النساء : ۳۲)

اس آیت کا آخری حصہ انتہائی قابل غور ہے۔ یہ فضیلت اللہ کی دی ہوئی ہے جو ہر چیز کا علم رکھتا ہے' اس نے یہ فضیلت معاذ اللہ لاعلمی میں نہیں دی ہے' ایسے ہی اٹکل پچو نہیں دے دی' بلکہ علم کامل اور حکمت بالغہ کی بنیاد پر دی ہے۔

آگے سورۃ النساء کی آیت ۳۴ میں یہ بات واشگاف طور پر کھول دی اور declare کر دی جاتی ہے کہ ﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ﴾ قرآن حکیم کے اسلوب کو پہچانئے! پہلے ایک سمت سورۂ بقرہ کی آیت ۲۲۸ میں متعین فرمائی گئی' پھر ذہنوں کو تیار کرنے کے لئے سورۃ النساء کی آیت ۳۲ میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو جس پر فوقیت اور فضیلت دے دی ہے اس کو خوش دلی سے تسلیم (reconcile) کرنا چاہئے۔ اس پر رشک کرنے' اس کی تمنا کرنے اور اس پر شکوہ و شکایت کرنے کے بجائے اس پر راضی برضا ہو کر اپنے طرزِ عمل کو درست کیا جانا چاہئے۔ اس کے بعد ایک اٹل' دائمی اور ابدی ضابطہ بیان فرما دیا گیا :

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ . . ﴾

(النساء : ۳۴)

"مرد عورتوں پر قوام ہیں۔ اس سبب سے کہ اللہ نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت عطا فرمائی ہے . . "

تفضیل کے لئے وہی الفاظ معمولی سے فرق کے ساتھ یہاں بھی آ گئے جو آیت ۳۲ میں آئے تھے ـــــ قوام کے لفظ کی کچھ تشریح میں پہلے کر چکا ہوں۔ یہاں یہ سمجھ لیجئے کہ یہ لفظ قائم سے مبالغے کا صیغہ ہے' جیسے فاعل سے فعال۔ اس مبالغے کی وجہ سے قائم (کھڑا ہونے والا) کے مفہوم میں انتہائی وسعت پیدا ہو گئی۔ اس میں محافظت اور حاکمیت کی حیثیت سے کھڑے ہونے کے معنی بھی شامل ہو گئے۔ اس قوام کے لفظ نے مرد کی حیثیت نگران و نگہبان اور حاکم کی بھی قرار دے دی۔

علّامہ اقبال مرحوم نے اسی مفہوم کو اس طرح ادا کیا ہے کہ ع نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مَرد!

اس قوامیت کی ایک بنیاد کو اللہ تعالیٰ نے ﴿ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ ﴾ کے الفاظ سے بیان کر دیا۔ ایک تو تخلیقی فضیلت ہے جو اللہ نے مَردوں کو عورتوں پر دی ہے۔ ان کو جسمانی قوت زیادہ دی ہے' ان میں توانائی زیادہ ہے' ان میں بھاگ دوڑ کی صلاحیت زیادہ ہے' ان میں اختراع و ایجاد کا جوہر زیادہ ہے' ان میں حکمرانی و جہاں بانی کا حوصلہ و ولولہ زیادہ ہے' ان کی فطرت میں جنگ و جدال کا داعیہ زیادہ ہے' ان میں عزیمت زیادہ ہے' معاشی جِدّوجُہد اور محنت و کوشش کا مادہ زیادہ ہے' ان میں قاطعیت زیادہ ہے۔ لہٰذا ان اوصاف اور صفات کی وجہ سے انہیں عورتوں پر قوام بنایا گیا ہے اور اس قوامیت کے تمام لوازم ان کے سپرد کیے گئے ہیں۔ وہ خاندان کے ادارے کے حاکم' محافظ اور نگہبان ہیں' دین و اخلاق کے معاملات کی نگرانی کے ذمہ دار بھی وہی ہیں' بیوی اور بچوں کی کفالت اور خاندان کی ضروریاتِ زندگی کی فراہم رسانی کی ذمہ داری بھی اُن پر ہے۔ لہٰذا ان کی بیویوں اور بچوں پر ان کی اطاعت فرض ہے (بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کا حکم نہ دیں) اسی بات کو رسول اللہ ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا ہے :

((اَلرَّجُلُ رَاعٍ فِیْ اَھْلِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ))

"مَرد اپنے اہل و عیال پر حکمران و نگران ہے' اور وہ اپنی رعیت کے بارے میں اللہ کے سامنے جواب دہ ہے۔"

اس حدیث کو امام بخاریؒ نے ﴿قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَھْلِيْكُمْ نَارًا﴾ کی تفسیر میں روایت کیا ہے ___ حدیث کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے' جو بہت زیادہ مشہور ہیں :

((کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ))[1]

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الجمعة' باب الجمعة فی القری والمدن اور دیگر مقامات۔ صحیح مسلم' کتاب الامارة' باب فضیلة الامام العادل....

"تم میں سے ہر ایک (اپنے اپنے دائرۂ اختیار میں) راعی (نگران و حکمران) ہے اور تم میں سے ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں (اللہ کے ہاں) جواب دہ ہے۔"

اللہ نے اپنی فیض بخشیوں سے مَرد کو اگر ان پہلوؤں سے زیادہ نوازا ہے جن کا میں نے ابھی ذکر کیا تو عورت کو چند دوسرے پہلوؤں سے مالا مال کیا ہے۔ اس میں مَرد کی تخلیق و ایجاد کے ثمرات و نتائج کو سنبھالنے کا سلیقہ اور ہنر عطا فرمایا ہے' اس کو گھر بنانے اور گھر بسانے کی قابلیت بخشی ہے' اس میں گھر گرہستی کے کاموں' بچوں کی پرورش و نگہداشت اور گھریلو اُمور سے ایک فطری مناسبت ودیعت کی ہے' اس کے اندر دل کشی' دلربائی' شیرینی اور حلاوت کا جمال رکھا ہے' خاندان کی اندرونی تنظیم میں اسے گھر کے حاکم کی ملکہ کا مقام عنایت کیا ہے' کسبِ معاش کی ذمہ داری شوہر پر رکھی ہے تو اس کمائی سے گھر کا انتظام کرنا اس کے ذمہ لگایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے سورۃ التحریم کی آیت ﴿قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ کی تفسیر میں صحیح بخاری میں یہ قول بھی منقول ہے :

((اَلْمَرْاَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَهِيَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهَا))

"عورت اپنے شوہر کے گھر کی حکمران ہے اور وہ اپنی حکومت کے دائرہ میں اپنے عمل کے لئے جواب دہ ہے۔"

یہ خالق و فاطرِ کائنات کی خلاقی کا کمال ہے کہ اس نے اگر مَرد میں فعالیت کی صلاحیت رکھی ہے تو عورت کو انفعال کی اہلیت سے نوازا ہے۔ فعل و انفعال دونوں اس کارخانہ ہستی اور کارگاہِ حیات کو چلانے کے لئے یکساں ضروری ہیں۔ دونوں کا اپنی اپنی جگہ اور اپنے اپنے دائرہ عمل میں ایک اہم مقام ہے۔ اب اگر یہ دونوں ایک دوسرے کے دائرہ عمل اور حدودِ کار میں بے جا مداخلت کریں گے یا ایک دوسرے کے قدرت کے تفویض کردہ امور کے بارے میں چھینا جھپٹی کریں گے تو تمدن میں فساد اور بگاڑ پیدا ہو گا اور یہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے قدرت کی تقسیم کار

کے خلاف بغاوت ہو گی جس کے مہلک نتائج بنی نوعِ انسان نے پہلے بھی بھگتے ہیں اور اب بھی بھگت رہی ہے۔ ایسے مردوں اور عورتوں پر لعنت کی گئی ہے جو ایک دوسرے کی نقالی کی روش اختیار کرتے ہیں۔ سنن ابی داؤد کی دو روایتیں اس مفہوم کو سمجھنے میں ان شاء اللہ کفایت کریں گی۔ پہلی روایت کے الفاظ ہیں :

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهُ لَعَنَ الْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَآءِ بِالرِّجَالِ وَالْمُتَشَبِّهِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَآءِ [1]

"ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اُن عورتوں پر لعنت کی ہے جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں اور ان مردوں پر لعنت کی ہے جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔"

دوسری روایت ہے :

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْاَةِ وَالْمَرْاَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ [2]

"رسول اللہ ﷺ نے اس مرد پر لعنت کی ہے جو عورت کا لباس پہنے اور اس عورت پر لعنت کی ہے جو مرد کا لباس پہنے۔"

قوامیت کی دوسری اساس : عورت پر مرد کو قوام بنانے اور فضیلت حاصل ہونے کی دوسری اساس سورۃ النساء کی اسی آیت میں آگے ان الفاظ میں بیان ہوئی :

﴿ وَبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾

"اور یہ (قوامیت و فضیلت) اس سبب اور بناء پر (بھی ہے) کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔"

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لباس النساء۔ سنن الترمذی، کتاب الادب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ما جاء فی المتشبهات بالرجال من النساء۔

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لباس النساء

اس آیت کا یہ حصہ اس بات پر قطعی دلیل ہے کہ خاندان (بیوی بچوں) کی کفالت کی ذمہ داری مرد پر ہے۔ نان نفقہ اس کے ذمہ ہے' عورت پر یہ بار نہیں ڈالا گیا' مہر مرد ادا کرتا ہے' عورت پر یا عورت کے خاندان پر اس قسم کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے' شادی کی خوشی میں دعوتِ ولیمہ کرنا لڑکے والوں کے ذمے ہے' لڑکی والوں پر اس قسم کا کوئی بوجھ نہیں' تمام سامانِ اُمورِ خانہ داری کی فراہمی بھی لڑکے یا اس کے خاندان والوں پر ہے' لڑکی والے اس سے بری ہیں۔[1]

اب دو اساسات جمع ہو گئیں' ایک تخلیقی تفضیل ہے جو اللہ نے مرد کو دی ہے' جو مرد کی تخلیقی و نفسیاتی ساخت اور فطرت میں مضمر ہے' دوسری یہ کہ اسلام نے جو عائلی نظام بنایا ہے اس میں کمائی اور معاشی کفالت کا تمام بوجھ مرد کے کاندھوں پر ڈالا گیا ہے۔ لہٰذا ان دو بنیادوں پر مرد کی قوامیت کو استوار کیا گیا ہے۔ اب بات یہاں تک واضح ہو گئی کہ مرد عورتوں پر قوام ہیں' اس بناء پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک (مرد) کو دوسرے (عورت) پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾

سورۃ النساء کی آیت ۳۲ اور آیت ۳۴ کے آغاز میں مذکور ان دو اہم مضامین کی تشریح و تفسیر اور ان پر تدبر و تفکر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اللہ نے مرد اور عورت کو جو علیحدہ علیحدہ مقام اور تشخص دیا ہے اس کو reconcile کیجئے' اس کے مطابق طرزِ عمل اختیار کیجئے' اسی میں ہماری دنیوی اور اُخروی کامیابی ہے۔

<u>بیوی کے لئے صحیح طرزِ عمل</u> : اسی آیت میں آگے نہایت پیارے اور دلنشین

---

(۱) جہیز اور بارات کے نظام کی جو رسوم ہمارے معاشرے میں رائج ہیں ان کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ یہ رسوم اپنی روح اور عمل دونوں حیثیات سے خالص ہندوانہ ہیں۔ (مرتب)

اور واضح انداز میں عورتوں کے لئے رہنمائی عطا فرمادی گئی کہ مرد کی فضیلت و قوامیت کے پیش نظر ان کا طرزِ عمل کیا ہونا چاہئے۔ فرمایا:

﴿ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ﴾

"پس نیک بیویوں کو سزاوار ہے کہ وہ فرماں برداری کرنے والی اور مردوں کے پیچھے ان کے حقوق اور رازوں کی حفاظت کرنے والی بنیں بوجہ اس کے کہ اللہ نے اس چیز کی حفاظت کی ہے۔"

آیت مبارکہ کے اس ٹکڑے میں ایک صالح بیوی کی دو صفات بیان کی گئیں۔ ایک یہ کہ وہ قانتہ ہو۔ دوسری یہ کہ وہ حافظۃٌ لِلغیب ہو ـــــ ترجمے سے ان صفات کا ایک اجمالی مفہوم آپ کے سامنے آگیا ہو گا' لیکن ضرورت ہے کہ اس کو مزید واضح کیا جائے۔ اس حصے کی ترجمانی اور تشریح و توضیح یوں ہو گی کہ از روئے قرآن مجید صالح اور نیک بیویاں وہ ہیں' یا از روئے اسلام قابل تعریف طرزِ عمل اور کردار اُن خواتین کا ہے جن میں دو اوصاف موجود ہوں' ایک یہ کہ وہ قَانِتَاتٌ ہوں' یعنی شوہروں کی فرمانبردار ہوں' ان کا حکم مانیں۔ ظاہر بات ہے کہ وہ حاکم کیا ہوا جس کا حکم نہ مانا جائے! یہ ضرور ہے کہ حاکم مطلق صرف اللہ ہے' شوہر کا حکم اگر اللہ کے حکم کے خلاف ہے تو نہیں مانا جائے گا' لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے دائرے میں شوہر کا حکم ماننا بیوی پر لازم اور فرض ہے۔ اس لزوم اور فرضیت کے باہمی ربط کو شوہر کے لئے قوام (حاکم) اور بیوی کے لئے قانتہ (فرماں بردار) کے الفاظ سے بالکل واضح اور نمایاں کر دیا گیا اور نظم قرآن کے اس اعجاز سے ثابت ہو گیا کہ عائلی زندگی میں شوہر کو حاکم کی حیثیت حاصل ہے۔

دوسرا وصف یہ ہے کہ وہ حافظاتٌ لِلغیب ہوں۔ اس اسلوب میں بڑی جامع باتیں آگئی ہیں۔ اس میں اپنی عصمت و عفت کی حفاظت بھی ہے ـــــ درحقیقت اب وہ صرف اس کی عصمت نہیں ہے بلکہ شوہر کی آبرو اور اس کی ناموس ہے۔ جب تک شادی نہیں ہوئی تھی عورت کی عصمت اس کی ذاتی اور خاندان والوں کی

آبرو اور عصمت تھی جب وہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو کر ایک شخص کی بیوی بن گئی ہے تو اس میں اضافی طور پر اس کے شوہر کی عزت و ناموس بھی شامل ہو گئی ــــ اسی طریقے سے نیک بیویوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے شوہروں کے رازوں کی حفاظت کریں۔ شوہر کے رازوں سے بیوی سے زیادہ کوئی دوسرا آگاہی رکھ سکتا ہی نہیں؟ لیکن ایک صالح بیوی کا طرزِ عمل یہ ہو گا کہ وہ شوہر کے رازوں اور کمزوریوں کو چھپائے' ان کی حفاظت کرے ــــ اگر وہ ان کا افشاء کرتی ہے تو یہ طرزِ عمل اس کردار کے بالکل منافی اور متضاد ہو گا جو کتاب و سنت سے ایک صالح اور آئیڈیل بیوی کا ہمارے سامنے آتا ہے۔ پس اس آیت سے یہ بات واضح طور پر ہمارے سامنے آ گئی کہ جب میاں بیوی کا رشتہ قائم ہو تو ایک خاتون کا صحیح طرزِ عمل کیا ہونا چاہئے۔

<u>قوامیت کی تیسری اساس</u> : آگے چلئے! یہ جو عقدۃ النکاح ہے اس میں بھی فرق و تفاوت ہے۔ اس گرہ کے بندھنے میں یقیناً عورت کی مرضی بھی شامل ہوتی ہے۔ لڑکی سے اس کا ولی اجازت لے کر آتا ہے اور نکاح پڑھانے والے کے ذریعے ایجاب یعنی پیش کش کرتا ہے اور لڑکا یہ پیشکش قبول کرتا ہے۔ اگر لڑکی اجازت نہ دے تو یہ بندھن نہیں بندھ سکتا یہ قانونی تشخص اس کو حاصل ہے۔ اس کی مرضی کے بغیر نکاح نہیں ہو گا۔ اس میں یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ اگر لڑکی کنواری ہے تو اس کے سامنے ذکر کر دیا جائے اور وہ خاموش رہے تو یہ خاموشی بھی رضا شمار ہوتی ہے۔ چنانچہ "خاموشی نیم رضا" ہمارے ہاں محاورہ بن گیا ہے (یہاں "خاموشی" پر جو عربی لفظ نہیں ہے' ال لگا ہوا ہی مضحکہ خیز ہے) لیکن اگر عورت ثیبہ ہے یعنی مطلقہ ہے یا بیوہ ہے تو اس میں صراحت کی گئی ہے کہ نکاحِ ثانی کے لئے اس کی کامل اجازت ضروری ہے۔ یعنی جب تک وہ زبان سے نہ کہے بات پوری نہیں ہو گی ــــ لیکن اس گرہ کے بندھ جانے کے بعد معاملہ مساوی نہیں رہا۔ اب گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے۔ اُسے اختیار ہے وہ جب چاہے اس گرہ کو کھول دے۔ جب چاہے طلاق دے

دے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۳۷ میں اس اختیار کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے :

﴿ اَلَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ﴾

"وہ (مرد) جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔"

قانونی طور پر اُسے طلاق دینے اور نکاح کی گرہ کھولنے کا کامل اختیار ہے۔ تحدید اگر ہے تو وہ اخلاقی ہے۔ اگر وہ کسی حقیقی سبب کے بغیر ایسا کرتا ہے تو بہت بڑا ظلم کرتا ہے' جس کی اُسے اللہ کے ہاں جواب دہی کرنی ہو گی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خبردار فرمایا کہ :

((أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى الطَّلَاقُ))[1]

"اللہ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے بُری چیز طلاق ہے۔"

قانون اپنی جگہ ہے' لیکن ساتھ ہی اخلاقی پابندی بھی عائد کر دی گئی ہے۔ اس طرح اس کو متوازن (balance) کیا گیا ہے۔ مرد کسی حقیقی سبب سے طلاق دیتا ہے تو اس کو مکمل اختیار ہے' لیکن اگر بلا سبب اس نے طلاق دے کر کسی خاتون کی زندگی تباہ کی ہے' جس کا اختیار بہرحال اسے حاصل ہے' تو ایسا شخص جان رکھے کہ وہ اللہ کے ہاں بہت بڑا مجرم بن کر پیش ہو گا۔ لیکن جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ اسے اختیار حاصل ہے۔ البتہ بیوی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ جب چاہے اس گرہ کو کھول دے' بلکہ اسے "خلع" حاصل کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ وہ علیحدگی چاہے تو اسے قاضی کی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا ہو گا اور قاضی کو بتانا ہو گا کہ وہ کن اسباب کی بناء پر علیحدگی کی خواہاں ہے۔ اسلامی عدالتیں نہ ہوں تو وہ برادری یا قبیلے یا خاندان کے بزرگوں کو درمیان میں ڈال کر "خلع" حاصل کر سکتی ہے۔ جیسا کہ انگریزوں کی حکومت کے دور میں عموماً ہوتا رہا ہے اور اب بھی عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ قبیلے یا برادری کے بزرگ عورت کی داد رسی کرتے ہیں اور تصفیہ

---

(۱) سنن ابی داؤد' کتاب الطلاق' باب فی کراھیۃ الطلاق۔ سنن ابن ماجہ' کتاب الطلاق

کرادیتے ہیں۔ ان کے سامنے عورت اسباب پیش کر سکتی ہے کہ میں اس مرد کے گھر میں نہیں بس سکتی۔ اس میں عورت کو یہاں تک بھی اختیار دیا گیا ہے کہ مجرد یہ بات بھی "خُلع" کی بنیاد بن سکتی ہے کہ اُسے مرد پسند نہیں ہے۔ یہ سب اس لئے کہ زن و شو میں جو مودّت و موافقت اور مزاج کی پوری ہم آہنگی خاندانی نظام کے پُر سکون ہونے کے لئے درکار ہے اگر وہ موجود ہی نہیں ہے تو یہ گاڑی کیسے چلے گی؟ للذا جیسے عورت کی طرف مَرد کی رغبت ہونی ضروری ہے اسی طرح عورت کی بھی رغبت مَرد کی طرف ضروری ہے۔ حاصلِ کلام یہ کہ عورت کو یہ آزادی حاصل نہیں ہے کہ وہ جب چاہے از خود اس گرہ کو کھول دے۔ اسے "خُلع" کے لئے مرافعہ کرنا ہوگا' مجاز ادارے کو مطمئن (convince) کرنا پڑے گا۔ اپنے بڑوں کے سامنے اپنی واقعی مجبوریاں پیش کرنی ہوں گی تاکہ معلوم ہو جائے کہ عورت محض شدّتِ جذبات سے مغلوب ہو کر اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا رہی بلکہ حقیقی اسباب اور مشکلات موجود ہیں ـــــ بہرحال یہ بات پیشِ نظر رہنی ضروری ہے کہ طلاق اور خُلع اپنے status کے اعتبار سے علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ یہ مساوی نہیں ہیں۔ جہاں بھی ان کو مساوی کیا گیا ہے وہاں جو فساد رونما ہوا ہے وہ دنیا میں خوب جانا پہچانا ہے۔

اب میں چاہوں گا کہ آپ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۳۷ مع ترجمہ مطالعہ کر لیں اور اس کے مضمرات کو بھی سمجھ لیں۔ پوری آیت یہ ہے :

﴿ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ ﴾

"اور اگر تم نے ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دی ہو' لیکن مہر مقرر کیا جا چکا ہو تو اس صورت میں نصف مہر دینا ہوگا' یہ اور بات ہے کہ عورت نرمی برتے (اور مہر نہ لے) یا وہ مَرد جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے' نرمی سے کام

لے (اور پورا مہر ادا کر دے) اور تم (یعنی مرد) نرمی سے کام لو تو یہ رویّہ تقویٰ سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ آپس کے معاملات میں فیاضی کو نہ بھولو! یقیناً اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔"

یعنی اس میں تلقین کی گئی ہے کہ اگرچہ نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے اور وہ جب چاہے اسے کھول سکتا ہے' لیکن اگر نکاح کے بعد خلوت میں ملاقات نہ ہوئی ہو اور مرد طلاق دے دے تو اس صورت میں اسے قانوناً تو نصف مہر ادا کرنا ہو گا' لیکن اللہ نے مرد کو عورت پر جو فضیلت دی ہے مرد اس کو نظرانداز نہ کرے' بلکہ اس کی رعایت کرے اور پورا مہر ادا کرے' یہ طرزِ عمل تقویٰ کے زیادہ قریب ہے ـــــ مرد کی فضیلت کی دلیل اس آیت میں بھی موجود ہے۔

عورت کا اصل دائرہ کار

اب آیئے ستر و حجاب اور اسلام میں عورت کے اصل مقام کے مسائل کی طرف۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کے متعلق میری آراء اور میرے نظریات پر' جو دراصل میرے نہیں بلکہ قرآن و سنّت کے احکام ہی سے ماخوذ و مستنبط ہیں' اخبارات و رسائل میں میرے خلاف ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ دورِ حاضر کی کچھ عالمہ و فاضلہ اور مفسراتِ قرآن فرما رہی ہیں کہ "ڈاکٹر اسرار اسلام سے ناواقف ہے' وہ رجعت پسند اور قدامت پسند ہے۔ وہ دقیانوسی نظریات و خیالات رکھتا ہے۔" اور مطالبہ کر رہی ہیں کہ اسے مجلس شوریٰ سے نکالو' اس کا ٹی وی پروگرام "الہدیٰ" بند کرو[1]' وہ عورتوں کے حقوق غصب کرنا چاہتا ہے' وہ آزادیٔ نسواں کا دشمن ہے۔

ان سب باتوں کے جواب میں میں اپنی اُن بہنوں سے عرض کروں گا کہ میں نے کبھی عالمِ دین ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ میں نے اپنے متعلق جب کچھ کہا ہے تو یہی کہ

---

(۱) مغرب زدہ خواتین کی خوشنودی کے لئے بالآخر جولائی ۸۲ء سے "الہدیٰ" بند کر دیا گیا جبکہ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب نصف تک پہنچا تھا۔ (مرتب)

میں قرآن مجید کا محض ایک ادنیٰ طالب علم اور سنتِ رسول ﷺ کا ادنیٰ درجے ہی میں سہی ایک والہ و شیفتہ ہوں ـــــ رہا رجعت پسندی اور قدامت پسندی کا سوال! تو مجھے اپنی اس رجعت و قدامت پسندی پر فخر ہے کہ میرے لئے اصل معیارِ حق و باطل وہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے جس پر آج سے سوا چودہ سو سال قبل وہ معاشرہ وجود میں آیا تھا جس سے زیادہ صالح معاشرہ اس سینۂ گیتی کے اوپر اور فلک نیلی فام کے نیچے کبھی قائم نہیں ہوا اور جس کی برکات کا کچھ پرتو آب بھی عالم میں موجود ہے اور جس کی کامل برکات سے بہرہ مند ہونے کے لئے بنی نوعِ انسان کا اجتماعی ذہن لاشعوری طور پر ہنوز پیاسا' جویا اور متلاشی ہے۔ بقول علامہ اقبال ؎

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
زاں کہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰ ؐ او را بہاست!!
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ ؐ است

میں ایسی تمام بہنوں اور بھائیوں سے وہی بات عرض کروں گا جو "خلقِ قرآن" کا فتنہ برپا ہونے کے دَور میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کہی تھی کہ :

"اِیْتُوْنِیْ بِشَیْءٍ مِّنْ کِتَابِ اللّٰہِ وَسُنَّۃِ رَسُوْلِہٖ حَتّٰی اَقُوْلَ"

(میرے پاس اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت سے کوئی دلیل لاؤ تو لازماً مان لوں گا۔)

میرا دعویٰ

البتہ میں قرآن و سنت کے اپنے حقیر مطالعے کی بنیاد پر پورے وثوق' اعتماد اور دعوے سے عرض کروں گا کہ ستر و حجاب کے مکمل قوانین و ضوابط قرآن و سنت نے مقرر کئے ہیں' اس مسئلے سے متعلق احکام بڑی تفصیل سے دیئے ہیں' بہت واضح طور پر دیئے ہیں' اِن میں کوئی ابہام نہیں ہے۔ پھر یہ کہ قرآن و حدیث نے عورت کا

اصل مقام اس کا گھر قرار دیا ہے۔ میں یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ جو شخص کسی درجے میں بھی کتاب و سنّت سے تھوڑی سی واقفیت رکھتا ہو اور اُس کے دل میں کچھ خوف و خشیتِ الٰہی بھی موجود ہو وہ میرے اس دعوے کو چیلنج نہیں کر سکتا ـــــ عورت کے دائرۂ کار اور ستر و حجاب کی شرعی حدود کی بحث میں حصہ لینے والے مرد اور خواتین خود کو مسلمان کہتے ہیں، لیکن ان کا رویّہ یہ ہے کہ وہ قرآن و سنّت کا اتباع اور اسلام کی پیروی کرنے کے بجائے اپنی خواہشات و نظریات کے پیچھے چلنا چاہتے ہیں، لیکن ظاہر یہ کرتے ہیں کہ ان سے زیادہ اسلام کو سمجھنے والا اور اس کا شیدائی کوئی نہیں اور انہیں قرآن و سنّت سے انکار نہیں ہے، انہیں انکار ہے تو "دینِ مُلّا" یا ڈاکٹر اسرار جیسے "رجعت پسند و قدامت پسند" لوگوں کے نظریات و افکار سے ہے۔ میں اپنی ان تمام بہنوں سے جو یہاں میری بات سننے تشریف لائی ہیں اور آپ تمام حضرات سے درخواست کروں گا کہ پہلے سے قائم شدہ نظریات و تصورات سے اپنے ذہن کو خالی کر کے قرآن و سنّت کی تعلیمات پر معروضی طور پر غور فرمایئے۔ ان شاء اللہ آپ کے سامنے واضح طور پر یہ بات آ جائے گی کہ از روئے قرآن و سنّت ستر و حجاب کے احکام کیا ہیں اور عورت کا اصل مقام کیا ہے!!

ستر و حجاب

آج سے تقریباً دو سو سال قبل جب انگریزی استعمار اور امپیریلزم کا غلبہ برعظیم پاک و ہند میں شروع ہوا اور سیاسی غلامی پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی تو ساتھ ہی "اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ" کے مقولے کے مطابق ذہنی غلامی اور استیلاء کے دَور کا آغاز ہوا اور یہاں کے ان مسلمانوں نے جنہوں نے انگریزی تعلیم حاصل کی اور جو سرکاری مناصب تک پہنچے، مرعوب ذہنیت کے ساتھ مغربی طور طریقے، طرزِ بود و باش اور طرزِ معاشرت اختیار کرنی شروع کی۔ پھر دوسری جنگ عظیم کے بعد جو مسلم ممالک یورپ کے پنجۂ استبداد میں گرفتار ہوئے تو وہاں بھی مترفین اس تہذیب کی

کورانہ تقلید میں لگ گئے۔ اس طرح جدید تعلیم یافتہ نسل اس بات کو فراموش کر بیٹھی کہ شریعت اسلامی میں ستر و حجاب کے احکام بھی ہیں اور عورت کا اصل دائرہ کار بھی معین ہے۔

اس بات کو جان لیجئے کہ ستر و حجاب کے ضمن میں بھی یہ اصول کارفرما رہا ہے کہ یہ احکام بھی بتدریج نازل ہوئے ہیں۔ یہ تمام احکام دو سورتوں یعنی سورۃ الاحزاب اور سورۃ النور میں مکمل ہو جاتے ہیں۔ ان دونوں سورتوں کے زمانۂ نزول کو اگر سامنے رکھا جائے جو حکمت تشریع کو سمجھنے کے لئے از حد ضروری ہے تو معلوم ہو جائے گا کہ پہلا حکم کون سا ہے اور دوسرا کون سا۔ کثیر التعداد اور معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ الاحزاب پہلے نازل ہوئی ہے "غزوۂ احزاب کے دوران یا اس کے فوراً بعد۔ اس میں حجاب کے ابتدائی احکام ہیں۔ یہ غزوہ شوال ۵ھ میں ہوا تھا۔ جبکہ سورۃ النور غزوہ بنی المصطلق کے بعد نازل ہوئی ہے جو شعبان ۶ھ کا واقعہ ہے۔ اس میں ستر و حجاب کے تکمیلی احکام بیان ہو گئے ہیں۔ اسی غزوے کے دوران واقعہ افک پیش آیا یعنی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا دورانِ سفر میں جو ہار ٹوٹ گیا تھا جس کی تلاش کی وجہ سے آپؓ قافلے سے پیچھے رہ گئیں تھیں اور پھر صفوانؓ بن معطل سلمی کے ساتھ آکر قافلے میں شامل ہو گئیں اور اس واقعے کو منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت جڑنے کا بہانہ بنالیا۔ اور اس افک سے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت اسی سورۂ نور میں نازل ہوئی ہے۔

خواتین کے لئے اسوہ

اب پہلے ایک اصل الاصول سمجھ لیجئے۔ سورۃ الاحزاب میں ایک آیت آئی ہے جس کا ابتدائی حصہ آپ سب نے سیرت مطہرہ کی تقاریر کے ضمن میں لازماً سنا ہو گا۔ آیت یہ ہے :

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

(الاحزاب : ۲۱)

"(اے مسلمانو!) تمہارے لئے رسول اللہ (ﷺ) کی سیرت میں ایک نہایت عمدہ نمونہ (اور اسوۂ کاملہ) ہے۔"

یعنی اس اسوہ کو دیکھو! اس کو سمجھو اور اس کو اپنے لئے آئیڈیل بناؤ۔ اس کا اتباع اور اس کی پیروی کرو' اس سے قریب سے قریب تر ہونے کی کوشش کرو۔ تاقیامِ قیامت آنحضور ﷺ کی سیرتِ مطہرہ مسلمانوں کے لئے ایک بہترین اور اکمل اُسوہ و نمونہ ہے۔ اب غور کیجئے کہ مسلمان مَردوں کے لئے تو ہر لحاظ سے اور ہر اعتبار سے نمونہ آنحضور ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے۔ مَرد کی ایک حیثیت شوہر کی ہے' اس کے لئے بھی آنجناب' نمونہ ہیں۔ الغرض شوہر کی حیثیت ہو یا باپ اور خسر کی' مُعلّم کی حیثیت ہو یا مربّی و مزکّی کی' سربراہِ مملکت کی حیثیت ہو یا قاضی القضاۃ کی' سپہ سالار یا جنرل کی حیثیت ہو یا فاتحِ کشور کی' ہر حیثیت میں آنحضور ﷺ مَردوں کے لئے یقیناً اکمل و اتم نمونہ و اسوہ ہیں ـــــ لیکن مسلمان خواتین کے لئے آنحضرت ؐ کی سیرت اور زندگی مکمل نمونہ نہیں بن سکتی۔ میرے اس جملے میں خاص طور پر "مکمل نمونہ" کے الفاظ توجہ چاہتے ہیں۔ بطورِ خاتون' بطورِ بیوی' بطورِ بیٹی اور بطورِ ماں یہ اُسوہ تو آپ کو آنحضور ﷺ کی زندگی میں نہیں ملے گا' حالانکہ یہ بہت ضروری ہے۔ عورت کی ان حیثیتوں کے لئے بھی تو کوئی نمونہ' کوئی اُسوہ' کوئی آئیڈیل ہونا چاہئے کہ جس کو دیکھ کر تاقیامِ قیامت مسلمان خواتین اپنے طرزِ عمل کو متعین کریں۔

حضور ﷺ کی زندگی کے جو دوسرے پہلو ہیں وہ یقیناً خواتین کے لئے بھی اُسوہ ہیں۔ عبادت عورتوں کو بھی کرنی ہے۔ وہ دیکھیں کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں عبادت کا کیا معمول رہا ہے' اس کی پیروی کریں۔ نماز انہوں نے بھی پڑھنی ہے' لہٰذا ((صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ)) کی ہدایت جیسے مَردوں کے لئے ہے ویسے عورتوں کے لئے بھی ہے۔ لیکن جو مسائل و معاملات خواتین کے لئے مخصوص ہیں ان

مسائل و معاملات کے لئے اُسوہ کون ہو گا؟ یہ سوال خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے۔ اس طرح وہ حقیقت آپ کے سامنے بالکل واضح اور مبرہن ہو کر آئے گی کہ اسی سورۃ الاحزاب میں جس میں یہ آیت آئی : ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ ازواجِ مطہرات سے خطاب ہو رہا ہے کہ در حقیقت وہ ہیں ہمیشہ ہمیش کے لئے اُمت کی خواتین کے واسطے اُسوہ اور نمونہ۔ بالخصوص ان معاملات میں جو خواتین ہی سے تعلق رکھتے ہوں' اُمہات المؤمنین ہی اسوہ بننے کا استحقاق رکھتی ہیں' یعنی نبی اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن۔

میں نے یہ بات اتنی وضاحت سے اور زور دے کر اِس لئے بیان کی ہے کہ سورۃ الاحزاب میں بظاہر خطاب آنحضور ﷺ کی بیویوں سے ہے' جس سے ہماری بعض بہنیں اس مغالطے میں مبتلا ہو گئی ہیں یا کر دی گئی ہیں کہ یہ تو نبی اکرم ﷺ کی بیویوں سے متعلق احکام ہیں' یہاں عام مسلمان خواتین سے تو بات نہیں ہو رہی۔ یہ بات ان کی غلط فہمی اور مغالطے کا بہت بڑا سبب بن گئی ہے' لہٰذا اس بات کی ذہن میں صحیح ہونی چاہئے کہ قرآن مجید میں یہ اسلوب کیوں ہے! یہ اس لئے ہے کہ ازواجِ مطہرات کو مسلمان خواتین کے لئے آئیڈیل بننا ہے' اُن تمام معاملات میں جو صرف خواتین سے متعلق اور ان کے لئے مخصوص ہیں ـــــ ورنہ بحیثیت مجموعی آئیڈیل' اُسوۂ حسنہ اور کامل نمونہ تو جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۲ میں خطاب يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ سے ہوتا ہے جو آیت ۳۳ کے اختتام تک چلتا ہے۔ یہ دونوں آیات آج کے موضوع کے لئے بمنزلہ کلید ہیں۔ فرمایا :

﴿ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ

عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا ○ ﴾

"نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو نرم اور شیریں انداز سے بات نہ کیا کرو' مبادا دل کی خرابی میں مبتلا کوئی شخص (منافق) لالچ میں پڑ جائے' بلکہ صاف سیدھی بات کرو۔ اور اپنے گھروں میں ٹِک کر رہو اور سابق دورِ جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو۔ نماز قائم کرو' زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم اہلِ بیتِ نبی ؐ سے گندگی کو دور کرے اور تمہیں پاک کر دے' جیسا کہ تمہیں ہونا چاہئے۔"

پردے کے احکام کا آغاز

یہ دونوں آیات وہ ہیں جن سے پردے کے احکام کا آغاز اور مسلم خواتین کے لئے ایک دائرہ کار متعین ہوا ہے۔ پھر اسی انداز و اسلوبِ بیان سے یہ غلط نتیجے اخذ کئے گئے ہیں کہ یہ احکام تو نبی اکرم ﷺ کی ازواج کے لئے مخصوص ہیں' عام مسلم خواتین ان کی مخاطب نہیں ہیں' لہٰذا ان آیات پر بڑے تدبر و تفکر اور غور و خوض کی اور ان کے مضمرات کو کھولنے کی شدید ضرورت ہے۔

طرزِ تخاطب کی حکمت

خطاب ہو رہا ہے ﴿ یٰنِسَاءَ النَّبِیِّ ﴾ سے۔ اور پہلی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ:

﴿ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ ... ﴾

"تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو ...."

غور کیجئے کہ محض "عورت" ہونے کے ناطے سے ازواجِ مطہرات اور دوسری عورتوں میں کیا فرق ہے! اس اعتبار سے تو سب عورتیں برابر ہیں۔ فرق اور امتیاز ہے تو یہ کہ یہ ﷺ کی بیویاں ہیں اور جس طرح آنحضور ﷺ اہل ایمان کے لئے اسوۂ کاملہ ہیں اسی طرح خواتین کے مخصوص امور میں ان ازواجِ مطہرات کی

کو نمونہ بننا ہے' لہٰذا ان کو جو خصوصی احکام دیے جا رہے ہیں ان کی غایت یہی ہے کہ ان کے مطابق عمل کر کے ازواجِ نبی ؐ تاقیامِ قیامت تمام مسلم خواتین کے لئے ایک آئیڈیل خاتون اور مثالی بیوی کا نمونہ بن جائیں۔ اسی لئے اسی سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۱ میں جو آیت زیرِ گفتگو سے متصلاً قبل آئی ہے' ازواجِ مطہرات کو ان کے نیک اعمال پر دوہرے اجر کی بشارت دی گئی ہے۔

﴿ وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ..... ﴾

"اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول ؐ کی اطاعت کرے گی اور نیک عمل کرے گی اس کو ہم دوہرا اجر دیں گے ...."

اور آیت ۳۰ میں ان کی لغزش پر دوہرے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ یہ بھی اس لئے کہ ازواجِ مطہرات کو اسوہ اور نمونہ بننا ہے۔ لہٰذا ان کی عزیمت اور ان کی نیکی بہت سی خواتین کے لئے اس راہ پر چلنے کا سبب بنے گی اور ان کی معمولی سی لغزش بھی بہت سی عورتوں کی لغزش کا باعث بن جائے گی۔ ورنہ یہ احکام تمام مسلم خواتین کے لئے بھی ہیں۔ اس کی ایک دلیل میں دے چکا ہوں' ایک اور دلیل میں آگے بیان کروں گا' نیز آپ کو یہ بھی بتاؤں گا کہ عام مسلم خواتین کے لئے بھی یہی ہدایات دوسرے اسالیب سے قرآن مجید میں نازل ہوئی ہیں اور ان ہی احکام کی تشریح و توضیح میں نبی اکرم ﷺ نے بھی تاکیدی احکام دیے ہیں۔

آواز کا فتنہ

آگے فرمایا :

﴿ .....اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴾

"(اے نبی کی بیویو!) اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو نرمی اور لچک دار انداز سے بات نہ کیا کرو' مبادا جس کے دل میں (خلل کا) روگ ہے وہ کوئی

غلط توقع کر بیٹھے' بلکہ صاف سیدھی بات کرو۔"

اس ہدایت کی حکمت کو اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ عورت کی آواز میں بھی نسوانی حسن اور دلربائی کا وصف خالق و فاطر کی طرف سے ودیعت کیا گیا ہے۔ اس میں ایک جاذبیت اور کشش رکھی گئی ہے۔ اس میں بہت سی حکمتیں ہیں' لیکن یہی گفتگو کا شیریں اور لوچ دار انداز بہت سے فتنوں کا ذریعہ بنتا ہے۔ اکثر اوقات اس میں کوئی بُرا جذبہ نہیں ہوتا' لیکن آواز میں حلاوت' لہجے میں لگاوٹ اور باتوں میں گھلاوٹ سے شیطان فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے اور دل کے چھپے ہوئے چور کو شہ دیتا ہے۔ قرآن اس چور کا سر کچلنے کے لئے ہدایت دیتا ہے کہ ضرورت پیش آنے پر کسی نامحرم مرد سے بات کی جا سکتی ہے' لیکن اس موقع پر اندازِ گفتگو ایسا نہ ہو کہ جس کے دل میں مرض ہے' جس سے نفاق کا روگ بھی مراد لیا جا سکتا ہے اور نفسیاتی بھی' وہ خواہ مخواہ دل میں کوئی غلط توقع پال لے اور کوئی طمع جگا لے۔ لہٰذا ایسے مواقع پر آواز میں کرخت انداز پسندیدہ ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا گیا کہ بات بھی سیدھی کرو' اس میں بلاضرورت نہ طوالت ہو نہ اینچ پینچ ہو۔ یہ ہدایات جہاں ازواجِ مطہرات کے لئے ہیں وہاں تمام خواتین کے لئے بھی ہیں۔ اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے![1]

قرار فی البیوت

اگلی آیت میں فرمایا:

﴿ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى ﴾

"اور اپنے گھروں میں قرار (وقار اور سکینت) کے ساتھ رہو' اور جیسے بن سنور کر ایامِ جاہلیت میں عورتیں گھروں سے نمائش کے لئے نکلا کرتی تھیں ایسے نہ نکلو۔"

---

(۱) تفہیم القرآن میں سورۃ الاحزاب کی اس آیت کے اس حصے کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور نے حاشیہ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس میں تمام مسلمان بھائیوں اور بہنوں کے لئے بڑا سبق ہے۔ سید مودودیؒ لکھتے ہیں: (بقیہ حواشی اگلے صفحہ پر)

یہاں لفظ "قَرْنَ" استعمال ہوا ہے۔ بعض اہل لغت نے اس کو "قرار" سے اور بعض نے "وقار" سے ماخوذ لیا ہے۔ قرار پکڑنے کے معنی ہوں گے ٹک کر رہو' اور وقار کا مطلب ہو گا سکون سے رہو' چین سے بیٹھو۔ دونوں صورتوں میں آیت کا یہ منشاء بالکل واضح' مبرہن اور ظاہر ہے کہ عورت کا اصل دائرۂ عمل اس کا گھر ہے۔ یہاں کسی ابہام کے بغیر عورتوں کیلئے لائحہ عمل متعین کر دیا گیا اور ہدایت دے دی گئی ہے کہ عورت کی تمدنی ذمہ داریوں کا دائرۂ کار دراصل اس کا گھر ہے۔ وہ اس میں قیام کریں' قرار پکڑیں۔ یہاں اوّلین رہنما اصول (Drirective Principle) مقرر کر دیا گیا ہے۔[1]

"اب ذرا سوچنے کی بات ہے کہ جو دین عورت کو غیر مردسے بات کرتے ہوئے بھی لوچ دار انداز گفتگو کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور اسے مردوں کے سامنے بلا ضرورت آواز نکالنے سے روکتا ہے 'کیا وہ کبھی اس کو پسند کر سکتا ہے کہ عورت اسٹیج پر آکر گائے 'ناچے 'تھرکے 'بھاؤ بتائے اور ناز و نخرے دکھائے! کیا وہ اس کی اجازت دے سکتا ہے کہ ریڈیو پر عورت عاشقانہ گیت گائے اور سریلے نغموں کے ساتھ فحش مضامین سنا سنا کر لوگوں کے جذبات میں آگ لگائے۔ کیا وہ اسے جائز رکھ سکتا ہے کہ ڈراموں میں کبھی کسی کی بیوی اور کبھی کسی کی معشوقہ کا پارٹ کریں؟ یا ہوائی میزبان (Air Hostess) بنائی جائیں اور انہیں خاص طور پر مسافروں کا دل لبھانے کی تربیت دی جائے؟ یا کلبوں اور اجتماعی تقریبات اور مخلوط مجالس میں بن ٹھن کر آئیں اور مردوں سے خوب گھل مل کر بات چیت اور ہنسی مذاق کریں"۔

موجودہ "ترقی یافتہ" دور کے پیش نظر راقم یہاں مزید یہ عرض کرنے کی جسارت کر رہا ہے کہ ان صاف اور صالح تعلیمات وہدایات اور احکامات کے بعد بھی کیا اس کا کوئی ادنیٰ سا جواز ہے کہ ٹیلی ویژن پر عام پروگراموں اور اکثر خبر ناموں کی اناؤنسرز خواتین کو بنایا جائے۔ (مرتب)

(۱) امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ "اس حکم ﴿ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ ﴾ کے بعد ایک رات کو ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا گھر سے باہر جا رہی تھیں' راستے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا اور کہا اے سودہؓ! میں نے تم کو پہچان لیا تم خود کو نہ چھپا سکیں۔ وہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں اور یہ ماجرا آپؐ سے بیان کیا۔ اس وقت آپ پر وحی نازل ہوئی۔ جب نزول وحی کی حالت جاتی رہی تو آپ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے تم کو (یعنی عورتوں کو) اپنے کام کاج کے لئے باہر نکلنے کی اجازت دی"۔ وحی نے جن شرائط کے ساتھ یہ اجازت دی ہے وہ اسی سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۹ میں مذکور ہے جس پر محترم ڈاکٹر صاحب کی گفتگو آگے آئے گی۔ (مرتب)

یہ ہے اسلام میں عورت کا اصل مقام۔

تبرّج کی ممانعت

اگرچہ ناگزیر تمدنی ضروریات کے لئے بعض شرائط کے ساتھ گھر سے نکلنے کی اجازت دی گئی ہے' جس کو میں قرآن مجید کے حوالے سے آگے بیان کروں گا' آیت زیر گفتگو کے بین السطور بھی باہر نکلنے کی اجازت موجود ہے' لیکن یہاں ایک شرط عائد کی گئی ہے۔ وہ شرط تبرج اور خاص طور پر تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى کے ساتھ نکلنے کی ممانعت کی شرط ہے۔ عربی میں تبرُّج کے معنی نمایاں ہونے' ابھرنے اور کھل کر سامنے آنے کے ہیں۔ عورت کے لئے یہ لفظ اپنے چہرے اور اپنے جسم کی سج دھج' آرائش و زیبائش' سنگھار اور اپنی چال ڈھال میں لوچ اور چٹک مٹک کے ذریعے اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ تمام اہلِ لغت اور اکابر مفسرین نے اس لفظ کی یہی تشریح کی ہے۔ اب رہا جاہلیت کے مفہوم کا تعین تو جان لیجئے از روئے اسلام جاہلیت سے مُراد ہر وہ طرزِ عمل' ہر وہ روش' ہر وہ چلن' ہر وہ رواج اور ہر وہ رسم ہے جو اسلام کی تعلیم' اس کی تہذیب' اس کی ثقافت اور اس کے اخلاق و آداب کے خلاف ہو ـــــ اور جاهليّة الأُولٰى کا مطلب وہ تمام عیوب اور برائیاں ہیں جن میں ظہورِ اسلام اور بعثتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلٰوۃ والسلام سے قبل اہل عرب اور دنیا بھر کے لوگ مبتلا تھے۔ چنانچہ یہاں بظاہر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے خطاب ہے اور ان کو تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى سے منع کیا جا رہا ہے' لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا چونکہ ان اُمّہات المؤمنین کو تمام مسلمان خواتین کے لئے اُسوہ بنا ہے' لہٰذا ان کے توسط سے تمام خواتین کو ہدایت فرمائی جا رہی ہے کہ تمہارا اصل مقام تو گھر ہی ہے' لیکن اگر کسی تمدنی ضرورت سے گھر سے باہر نکلنا ہی ہو تو جاہلیتِ اولیٰ کی طرح بن سنور کر اور زیب و زینت کے ساتھ نکلنے کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں ہے ـــــ اس آیت مبارکہ کا اگلا حصہ ﴿ وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ ..... الخ ﴾ بہت واضح

ہے۔وقت کی کمی کی وجہ سے اس کی تشریح وتوضیح کو چھوڑ رہا ہوں۔

آیتِ حجاب

اب آگے چلئے! اسی سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۳ میں مسلمان مردوں کے لئے حکم نازل کیا جارہا ہے:

﴿ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَآءِ حِجَابٍ ﴾

"اور (اے مسلمانو!) اگر تمہیں نبی (ﷺ) کی بیویوں سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کی اوٹ سے مانگو"۔[1]

ہمارے علومِ فقہ میں یہ آیت "آیتِ حجاب" کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ جس طرح بعض آیات کے نام مخصوص ہو گئے ہیں اسی طرح اس کا نام "آیتِ حجاب" مخصوص ہو گیا ہے۔ جو بعض اخبارات میں مراسلات و مضامین لکھ رہی ہیں

(۱) مولانا سید مودودیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "بخاری میں حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اس آیت کے نزول سے پہلے متعدد مرتبہ عرض کر چکے تھے کہ یا رسول اللہ! آپ کے ہاں بھلے اور برے سب ہی قسم کے لوگ آتے ہیں۔ کاش آپ اپنی ازواجِ مطہرات کو پردہ کرنے کا حکم دیتے —— ایک اور روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ازواجِ رسولؐ سے کہا "اگر آپ کے حق میں میری بات مانی جائے تو کبھی میری نگاہیں آپ کو نہ دیکھیں"۔ لیکن رسول اللہ ﷺ چونکہ خود مختار نہ تھے' اس لئے آپ اشارۂ الٰہی کے منتظر رہے۔ آخر کار یہ حکم آگیا.... اس حکم کے بعد ازواجِ مطہرات کے گھروں میں دروازوں پر پردے لٹکا دیئے گئے اور چونکہ حضور ﷺ کا گھر تمام مسلمانوں کے لئے نمونے کا گھر تھا' اس لئے تمام مسلمانوں کے گھروں پر بھی پردے لٹک گئے ...." سید مودودیؒ آگے لکھتے ہیں کہ "جو کتاب مردوں اور عورتوں سے رو در رو بات کرنے سے روکتی ہے اور پردے کے پیچھے سے بات کرنے میں مصلحت یہ بتاتی ہے کہ "تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لئے یہ طریقہ زیادہ مناسب ہے"۔ ان واضح ہدایات و احکام کے بعد آخر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ "مخلوط مجالس اور مخلوط تعلیم اور جمہوری ادارات اور دفاتر میں مردوں اور عورتوں کا بے تکلف ماحول بالکل جائز ہے اور اس سے دلوں کی پاکیزگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا"۔ (مرتب)

کہ لفظ "حجاب" قرآن میں کہیں نہیں آیا' وہ غور کریں کہ آخر "مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ" (پردے کی اوٹ) سے کیا مراد ہے' اور یہ حکم کیا ظاہر کر رہا ہے؟ دُوبدو اور بے حجابانہ گفتگو کرنے میں اگر کوئی مضائقہ نہیں ہے تو اس حکم کا منشاو مطلب کیا متعین ہو گا؟ پھر اہم بات نوٹ کیجئے کہ جن سے پردے کی اوٹ سے کوئی چیز مانگنے کا مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے وہ اُمّہات المومنین ہیں' پوری اُمّت کیلئے مائیں ہیں۔ جن کے متعلق اسی آیت کے اگلے حصّے میں آنحضور ﷺ کے انتقال کے بعد اُن سے نکاح کی ہمیشہ کیلئے ممانعت کی گئی ہے کہ ﴿ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ﴾ "یہ جائز نہیں ہے کہ تم ان (رسولؐ) کے بعد کبھی بھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو۔"

اس سے قبل اسی آیت میں ﴿ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْــَٔـلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ﴾ کے حکم کے بعد اس کی علت بھی بیان فرما دی گئی تھی کہ "یہ طریقہ تمہارے دلوں کے لئے بھی زیادہ پاکیزگی بخش ہے اور ان (ازواجِ مطہرات) کے دلوں کے لئے بھی"۔ ﴿ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ﴾ —— غور کیجئے کہ اُمّہات المومنین کے متعلق کس کے دل میں بُرا خیال پیدا ہو سکتا ہے؟ اسی طرح ان صالحات و مطاہرات ازواج النبیؐ کے متعلق یہ گمان دُور از کار ہے۔ بالفرض ایک امکان سامنے رکھ کر پہلے تو ازواجِ مطہرات کو آیت ۳۲ میں شیریں اور لوچ دار لہجے میں بات کرنے سے منع کیا گیا' پھر اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ اپنی دینی اور روحانی ماؤں سے کوئی چیز مانگو تو پردے (حجاب) کی اوٹ سے مانگو۔ یہ اسلوب اس بات پر صریح دلالت کر رہا ہے کہ یہ تمام مسلمان خواتین و حضرات کے لئے مستقل ہدایت ہے۔ اسلام کے معاشرتی نظام میں صالح اقدار کے فروغ کے لئے یہی پاکیزہ طرزِ عمل ہے خواتین کے لئے بھی اور مردوں کے لئے بھی۔

ان احکام کی حکمتوں پر غور کیجئے۔ اللہ فاطرِ فطرت ہے' وہ جانتا ہے کہ مرد اور عورت کے مزاج' ان کے میلانات اور رجحانات کیا ہیں! ہم لاکھ پردے ڈالیں' ملمع سازی کریں' تہذیب و تمدن کے تقاضوں کو بہانہ بنائیں' لیکن مرد میں عورت کے

لئے جاذبیت' کشش اور نفسانی خواہش کا جو داعیہ رکھا ہے اسے اس داعیہ کو رکھنے والے سے زیادہ جاننے والا اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے وہ فاطرِ فطرت گفتگو میں لوچ دار انداز اختیار کرنے سے منع فرما رہا ہے اور شدید ضرورت کے تحت کوئی چیز مانگنے یا بات چیت کرنے کی صورت میں پردے کی اوٹ ﴿ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ﴾[1] کا حکم دے رہا ہے۔ ساتھ ہی اس کی حکمت بھی بیان فرما رہا ہے کہ : ﴿ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ﴾

نقاب

ہمارے ہاں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو چہرے کے پردے کا قائل نہیں ہے' اور ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں نقاب کا کہیں ذکر نہیں ہے اور حج و عمرہ کے احرام میں عورت کا چہرہ کھلا رہتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نقاب کا لفظ قرآن میں نہیں آیا' لیکن حدیث میں یہ لفظ موجود ہے۔ یہ روایت سنن ابی داؤد کی ہے جو صحاحِ ستہ میں شامل ہے۔ حدیث غور سے سنئے :

جَاءَتِ امْرَاَةٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَالُ لَهَا اُمُّ خَلَّادٍ وَهِيَ مُتَنَقِّبَةٌ تَسْاَلُ عَنِ ابْنِهَا وَهُوَ مَقْتُوْلٌ' فَقَالَ لَهَا بَعْضُ

---

(۱) مولانا امین احسن اصلاحی صاحب اپنی لاجواب تالیف "پاکستانی عورت دوراہے پر" میں لکھتے ہیں کہ "غزوۂ خیبر کے سلسلے میں جب صحابہؓ میں یہ سوال پیدا ہوا کہ حضرت صفیہ ؓ کو آنحضرت ﷺ ایک لونڈی کی حیثیت سے رکھیں گے یا ایک منکوحہ بیوی کی حیثیت سے تو اس بارے میں اس فیصلہ کن اصول کو سب نے تسلیم کیا کہ: "اگر ان کو وہ پردہ کرائیں تو سمجھنا چاہئے کہ وہ امہات المؤمنین میں سے ایک ہیں اور اگر پردہ نہ کرائیں تو ان کی حیثیت لونڈی کی ہو گی" تو جب آپؐ نے کوچ کا ارادہ فرمایا تو اپنے پیچھے ان کے لئے بیٹھنے کا سامان کیا اور پردہ تانا"۔ (صحیح البخاری ' کتاب النکاح' باب البناء فی السفر) مولانا موصوف نے اس حدیث کے جس متن کا حوالہ تحریر فرمایا ہے اس میں "مدّ الحجاب" کا لفظ آیا ہے۔ (مرتب)

أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ جِئْتِ تَسْأَلِيْنَ عَنِ ابْنِكِ وَأَنْتِ مُنْتَقِبَةٌ؟ فَقَالَتْ: إِنْ أُرْزَأَ ابْنِي فَلَنْ أُرْزَأَ حَيَائِي، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((اِبْنُكِ لَهُ أَجْرُ شَهِيْدَيْنِ)) قَالَتْ: وَلِمَ ذَاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: ((لِأَنَّهُ قَتَلَهُ أَهْلُ الْكِتَابِ)) (۱)

"ایک خاتون، جس کا نام امّ خلّاد تھا، نبی اکرم ﷺ کے پاس اپنے بیٹے کا، جو مقتول ہو چکا تھا، انجام دریافت کرنے آئیں اور وہ نقاب پہنے ہوئے تھیں۔ نبی اکرم ﷺ کے ایک صحابیؓ نے ان کی اس استقامت پر تعجب کرتے ہوئے کہا: نقاب پہن کر آپ اپنے بیٹے کا حال دریافت کرنے آئی ہیں؟ انہوں نے اس کے جواب میں فرمایا: میرا بیٹا مرا ہے، میری حیا نہیں مری۔ اس کے بعد آپ نے ان کو تسلی دی کہ تمہارے بیٹے کو دو شہیدوں کا اجر ملے گا۔ انہوں نے پوچھا: ایسا کیوں ہو گا یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: "اس لئے کہ اس کو اہل کتاب نے قتل کیا ہے۔"

اس حدیث میں وارد لفظ مُنْتَقِبَةٌ کا مادہ "نقب" ہے۔ اسی سے نقاب مصدر ہے۔ دیکھ لیجئے یہ لفظ کتاب حدیث میں موجود ہے اور یہ خاتون اس حال میں نقاب ڈالے ہوئے تھیں کہ ایسے سانحہ پر تو اچھے خاصے دین دار گھرانوں کی خواتین کو بھی غم واندوہ کی کیفیت میں حجاب کا خیال نہیں رہتا۔ یہ تو عموماً گریبان چاک کرنے اور سر پیٹنے کا موقع ہوتا ہے۔ اسی لئے ایک صحابیؓ نے تعجب سے کہا تھا: جِئْتِ تَسْأَلِيْنَ عَنِ ابْنِكِ وَأَنْتِ مُنْتَقِبَةٌ؟ اس مؤمنہ خاتون نے جو جواب دیا وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ إِنْ أُرْزَأَ ابْنِي فَلَنْ أُرْزَأَ حَيَائِي کہ میرا بیٹا مرا ہے، میری حیا نہیں مری ـــــ واقعہ افک کے سلسلے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جو طویل حدیث مروی ہے اس میں انہوں نے صراحت سے ذکر کیا ہے کہ جب وہ قافلے سے بچھڑ گئی تھیں اور اسی جگہ لیٹ گئی تھیں جہاں سے قافلے نے کوچ کیا تھا اور ان کی آنکھ لگ

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فضل قتال الروم علی غیرھم من الامم

گئی تھی تو اس حالت میں ان کے چہرے سے چادر کھسک گئی تھی اور صفوانؓ نے ان کو اس لئے پہچان لیا کہ انہوں نے قبلِ حجاب انہیں (حضرت عائشہؓ کو) دیکھا ہوا تھا۔[1]

ان دونوں حدیثوں سے چہرے کے پردے کے بارے میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ اس ضمن میں اگر کسی کے دل میں کوئی شک و شبہ ہے تو میں اس کو مخلصانہ مشورہ دوں گا کہ وہ اس کو اپنے دل سے نکال دے۔

خواتین کا احرام اور چہرے کا پردہ

حج و عمرہ کے احرام میں عورت کا چہرہ کھلا ہونے سے جو دلیل پکڑی جاتی ہے اس کے بارے میں ایسے حضرات و خواتین کو ایک اصول جان لینا چاہئے کہ استثنائی حالات کے احکام کو کلیات پر منطبق نہیں کیا جا سکتا۔ احرام کی حالت میں چہرہ کھلا رکھنے کی ایک استثنائی اجازت یا چہرہ ڈھانپنے یا دستانے پہننے کی ممانعت حدیث میں وارد

---

(۱) اس طویل حدیث کا متعلقہ متن اور ترجمہ یہ ہے:

فَبَيْنَا اَنَا جَالِسَةٌ فِيْ مَنْزِلِيْ غَلَبَتْنِيْ عَيْنِيْ فَنِمْتُ وَكَانَ صَفْوَانُ بْنُ الْمُعَطَّلِ السُّلَمِيُّ ثُمَّ الذَّكْوَانِيُّ مِنْ وَّرَاءِ الْجَيْشِ فَاَصْبَحَ عِنْدَ مَنْزِلِيْ فَرَآى سَوَادَ اِنْسَانٍ نَائِمٍ فَعَرَفَنِيْ حِيْنَ رَآنِيْ وَكَانَ رَآنِيْ قَبْلَ الْحِجَابِ فَاسْتَيْقَظْتُ بِاسْتِرْجَاعِهِ حِيْنَ عَرَفَنِيْ، فَخَمَّرْتُ وَجْهِيْ بِجِلْبَابِيْ (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب حديث الافك)

"اسی اثناء میں کہ میں اپنی جگہ پر بیٹھی ہوئی تھی کہ میری آنکھیں بوجھل ہو گئیں اور میں سو گئی اور صفوان سلمی ذکوانی لشکر کے پیچھے تھے، میری نشست کے پاس آئے تو ایک سوئے ہوئے انسان کو دیکھا تو انہوں نے مجھے پہچان لیا جب انہوں نے مجھے دیکھا، کیونکہ پردہ کے حکم سے پہلے وہ مجھے دیکھ چکے تھے، مجھے پہچاننے پر ان کے إنا للہ پڑھنے سے میں جاگ گئی اور اپنی چادر سے اپنے چہرے کو ڈھانپ لیا"۔ (مرتب)

ضرور ہوئی ہے۔"[1] لیکن اس سے چہرے کے پردے کا بالکلیہ انکار کر دینا انتہائی غیر معقول طرزِ فکر ہے۔ میں اس ضمن میں آپ کو بتاتا ہوں کہ حجاب کا حکم آنے کے بعد روز مرہ کی عادت کا یہ اثر تھا کہ دورِ رسالت میں خواتین غیر اختیاری طور پر بھی حالتِ احرام میں چہرے کے پردے کا اہتمام کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ حجۃ الوداع کے سفر کے متعلق سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے :

كَانَ الرُّكْبَانُ يَمُرُّوْنَ بِنَا وَنَحْنُ مُحْرِمَاتٌ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِذَا حَاذَوْا بِنَا سَدَلَتْ إِحْدَانَا جِلْبَابَهَا مِنْ رَأْسِهَا عَلٰى وَجْهِهَا، فَإِذَا جَاوَزُوْنَا رَفَعْنَاهُ))[2]

"قافلے ہمارے پاس سے گزرتے تھے اور ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ احرام باندھے ہوئے ہوتی تھیں۔ جب قافلے ہمارے سامنے آتے' ہم بڑی چادر سر کی طرف سے چہرے پر لٹکا لیتیں اور جب وہ گزر جاتے تو ہم اس کو اٹھا دیتیں!!" (ایک روایت میں آخری لفظ "كَشَفْنَاهُ" آیا ہے)

اس حدیث میں جو لفظ جلباب (بڑی چادر) آیا ہے اس کی تشریح و توضیح اسی سورۃ کی آیت ۵۹ میں آپ کے سامنے آئے گی' جس کا بیان میں اب شروع کر رہا ہوں۔

گھر سے باہر نکلنے کے احکام

جب گھر میں قرار پکڑنے کے اور حجاب کے احکام آ گئے اور عورت کا اصل

(۱) اس ضمن میں کتب احادیث میں جو روایات آئی ہیں کہ آنحضور ﷺ نے عورتوں کو حالت احرام میں چہرے پر نقاب ڈالنے اور دستانے پہننے سے منع فرمایا تھا تو ان کے الفاظ یہ ہیں : ((لَا تَنْتَقِبِ الْمَرْأَةُ الْمُحْرِمَةُ وَلَا تَلْبَسِ الْقُفَّازَيْنِ)) (صحیح البخاری' کتاب الحج' باب ما ینھی من الطیب للمحرم والمحرمة) ((وَنَهَى النِّسَاءَ فِيْ إِحْرَامِهِنَّ عَنِ الْقُفَّازَيْنِ وَالنِّقَابِ)) (سنن ابی داود' کتاب المناسك' باب ما یلبس المحرم) اس حدیث میں بھی لفظ نقاب موجود ہے۔ (مرتب)

(۲) سنن ابی داؤد' کتاب المناسك' باب فی المحرمة تغطی وجهها

دائرۂ کار گھر متعین ہو گیا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ اگر کسی تمدنی ضرورت سے گھر سے باہر نکلنا ہو تو کیا کیا جائے۔ بڑا اہم اور بنیادی سوال ہے۔ اس کے حل کے لئے آیت ۵۹ میں احکام دیئے جا رہے ہیں۔ فرمایا:

﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۝ ﴾

"اے نبیؐ! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور ستائی نہ جائیں' اور اللہ غفور رحیم ہے۔"[1]

اس آیت میں نبی اکرم ﷺ سے خطاب کر کے بشمول ازواج و بنات النبی رضی اللہ عنہن تمام اہل ایمان کی خواتین کے لئے باہر نکلنے کی صورت میں حجاب (پردے) کے لئے واضح طور پر ہدایات دی جا رہی ہیں۔ یعنی اس سورۂ مبارکہ کی آیات ۳۲'۳۳ میں نبی اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات کو براہِ راست خطاب کر کے جو احکام دیئے گئے تھے ان کے خصوص کو اَلْقُرْآنُ یُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا کے اصول کے مطابق عمومیت دے دی گئی اور اس طرح واضح کر دیا گیا کہ یہ احکام تمام مسلمان خواتین کے لئے ہیں۔

اب یہاں "جلباب" کے لفظ کو اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ عربی میں جلباب اس بڑی چادر کو کہتے ہیں جو پورے جسم کو ڈھانپ لے اور چھپا لے۔ ظہورِ اسلام سے قبل عرب کے اعلیٰ اور شریف خاندانوں کی خواتین عموماً جب باہر نکلتیں تو اس طرح کی چادر لپیٹ کر نکلتی تھیں۔ یہ جلباب شریف خاندانوں کی خواتین کے لباس کا جزو ایامِ جاہلیت میں بھی تھا۔ قرآن مجید میں اس میں یہ اضافہ کیا گیا کہ اس کا ایک حصہ بطورِ گھونگھٹ چہرے پر لٹکا لیا جایا کرے۔ اس طرح چہرے کا پردہ شروع ہوا' جس کی تفصیل احادیث میں آئی ہے کہ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد ازواجِ مطہرات'

---

(۱) اس آیت کی رو سے ستر و حجاب کا اہتمام لازم و واجب ہو گیا۔ (مرتب)

بنات النبیؐ اور تمام مؤمن خواتین باہر نکلتے وقت چادر کو اس طرح اوڑھا کرتی تھیں کہ پورا سر، پیشانی اور پورا چہرہ چھپ جاتا تھا، اور صرف آنکھیں رہ جاتی تھیں۔

میں نے اس کی عملی تصویر خود دیکھی ہے۔ اسلامی شعائر کی پابند تمام ایرانی خواتین میں اس دور میں بھی یہ چیز بتمام و کمال موجود ہے۔ وہ ایک بڑی سی چادر اوڑھتی ہیں جو ان کے ٹخنوں تک آئی ہوتی ہے یا اس سے تھوڑی سی اونچی، جو ان کے جسم کو پوری طرح ڈھانپے ہوئے ہوتی ہے۔ کیا مجال ہے کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ بھی نظر آجائے اور چہرے پر بھی وہ چادر کو اس طریقے سے پکڑتی ہیں کہ ایک آنکھ کھلی رہ جاتی ہے جس سے وہ راستہ دیکھ لیں، باقی سارا چہرہ پوشیدہ رہتا ہے۔ مجھے سعودی عرب کے دیہاتوں اور بدوی زندگی کا مشاہدہ کرنے کا موقع بھی ملا ہے، وہاں میں نے دیکھا ہے کہ عرب بدوؤں کی خواتین اس حال میں ہیں کہ ادھر سر تا پیر مستور،[1] ہاتھ میں ڈنڈا لئے اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کی ڈاریں چرا رہی ہیں۔ ہاتھوں میں دستانے اور پیروں میں موزے ہیں، صرف آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ صحیح منشاء ہے ان الفاظ کا کہ:

﴿ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ﴾

"وہ اپنی چادروں کے پلو اپنے چہروں پر لٹکالیا کریں۔"

یہ ضرورت پڑنے پر گھر سے باہر نکلنے کے لئے پردے (حجاب) کا پہلا حکم ہوا ـــــ یہاں میں نے گھر سے نکلنے کے لئے "ضرورت" کی جو قید لگائی ہے وہ اپنی طرف سے نہیں لگائی، بلکہ اس کی پابندی رسول اللہ ﷺ نے لگائی ہے۔

---

(۱) اسی لفظ مستور سے (جو ستر سے بنا ہے جس کے معنی کسی چیز کو چھپانے یا اوٹ میں کرنے کے ہیں) اردو میں خواتین کے لئے "مستورات" کا لفظ مستعمل ہے۔ غالباً یہ اصطلاح سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۴۵ "حِجَابًا مَّسْتُورًا" سے اخذ کی گئی ہے جس میں حجاب کا لفظ بھی موجود ہے اور ستر کا بھی۔ لیکن ہماری جو بہنیں مغربی تہذیب سے مرعوب ہو کر ستر و حجاب کو خیرباد کہہ رہی ہیں ان کے لئے تو اب "مستورات" کی بجائے "مکشوفات" کا لفظ موزوں ترین ہو گا۔ (مرتب)

چنانچہ صحیح بخاری میں روایت موجود ہے :

((قَدْ أَذِنَ اللّٰهُ لَكُنَّ اَنْ تَخْرُجْنَ لِحَوَائِجِكُنَّ)) [1]

"اللہ تعالیٰ نے تم (عورتوں) کو اجازت دی ہے کہ تم اپنی ضروریات کے لئے گھر سے نکل سکتی ہو۔"

ضرورت کا تعیّن اسلامی تعلیمات کے مجموعی مزاج کو سامنے رکھ کر کیا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کسی خاتون کے گھر میں کوئی کمائی کرنے والا مَرد موجود نہ ہو۔ اس کا بھی امکان ہے کہ عیال داری اور قلتِ معاش کی وجہ سے صرف مَرد کی محنت و مزدوری گھر کی کفالت کے لئے کفایت نہ کرے' یا محافظ خاندان کی بیماری یا کسی معذوری کی وجہ سے عورت باہر کام کرنے کے لئے مجبور ہو جائے' تو شریعت نے اس کی گنجائش رکھی ہے۔ جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے جو ابھی میں نے آپ کو سنائی۔ لیکن باہر نکلنے کے لئے ان تمام پابندیوں کو ملحوظ رکھنا ہو گا جو شریعت نے عائد کی ہیں۔ ویسے ایک حقیقی اسلامی ریاست میں ایسی صورت حال میں ایسے خاندان کی پوری کفالت بیت المال کے ذمہ ہوتی ہے۔ لیکن اگر ملک کی معیشت اس بات کی متقضی ہو کہ عورتیں بھی اس میں ہاتھ بٹائیں تو ریاست کی طرف سے ایسے اقدامات کئے جانے چاہئیں کہ گھروں پر ہی Cottage Industries کی طرز پر صنعت و حرفت کا نظام قائم ہو۔ بہت سے ترقی یافتہ ممالک بالخصوص جاپان اور سوئٹزرلینڈ میں یہ تجربہ کافی کامیاب رہا ہے۔ اگر عورت کو معاش کے لئے گھر سے نکلنا ہی پڑے تو وہ ستر و حجاب کے تمام احکام کی پابندی کرے۔ گھر سے باہر جلباب یا برقعے میں نکلے [2] اور ایسے اداروں میں کام کرے جہاں عورتیں ہی کارکن اور

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب النکاح' باب خروج النساء لحوائجهن

(۲) جلباب ہی تمدنی ترقی کے ساتھ مختلف قسم کے برقعوں اور نقابوں کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ برقع اگر واقعی ساتر ہو اور اسے فیشن کا جزو نہ بنالیا جائے' وہ کسا ہوا نہ ہو اور جسم کے خدو خال کو نمایاں کرنے والا نہ ہو تو یہ جلباب کی ضرورت پوری کر سکتا ہے۔ (مرتب)

منتظم ہوں۔ عورتوں کا مخلوط اداروں میں کام کرنے یا ٹی وی اور ریڈیو میں اناؤنسر' یا اخبارات اور ٹی وی میں اشتہارات کا ماڈل' یا ایئرہوسٹس بننے یا اسی نوع کے دوسرے ایسے پیشے اختیار کرنے کا معاملہ جن میں مردوں سے براہ راست سابقہ آتا ہو اور وہ ان کے لئے فردوسِ نظر بنتی ہوں' از روئے اسلام مسلم خواتین کے لئے قطعی ناجائز بلکہ حرام کے درجے میں ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ :

((اَلْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ وَزِنَاهُمَا النَّظَرُ)) [1]

"آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا نظر ہے"

میں اپنے اندازے کے مطابق عرض کرتا ہوں کہ ان پیشوں سے متعلق خواتین میں حصولِ معاش کی مجبوری کم اور جذبۂ نمائش زیادہ ہے۔ آپ خود غور کیجئے کہ جو ہماری بہنیں ان پیشوں سے متعلق ہیں ان میں سے اکثر کو اپنے گھروں کی نگہداشت' گھریلو کام کاج اور بچوں کی دیکھ بھال کے لئے ملازمین رکھنے پڑتے ہوں گے' پھر ان پیشوں کے تقاضوں کے پیش نظر ان کو میک اپ' بناؤ سنگھار اور مخصوص ملبوسات پر کافی خرچ کرنا ہوتا ہو گا۔ سواری کے لئے بھی اچھی خاصی رقم صرف ہوتی ہو گی۔ لہٰذا ان کی اپنی یافت میں سے ایک چوتھائی یا ایک تہائی سے زیادہ بچت بمشکل ہوتی ہو گی۔ اس متاعِ قلیل سے شاید ان کو معمولی ریلیف ملتی ہو۔ میرے بھائی اور بہنیں ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ کیا یہ نفع کا سودا ہے یا سراسر خسارے کا! اس لئے کہ یہ طرزِ عمل اسلامی تعلیمات سے بغاوت اور اپنی عاقبت کی بربادی اور اپنے خاندان کی روایات' شرافت اور عزت سے سرکشی کا موجب ہے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ میں پوری دردمندی سے اپنی ان بیٹیوں اور بہنوں سے التجا کروں گا کہ خدارا ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ وہ کیا پا رہی ہیں اور کیا کھو رہی ہیں!! البتہ لڑکیوں کے اسکولوں اور کالجوں میں درس و تدریس کے لئے ملازمت کرنے

---

(۱) مسند احمد' ح ۸۳۲۱

میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہ صرف پیشہ ہی نہیں قومی خدمت بھی ہے۔ اسی طرح صرف عورتوں کے علاج معالجہ کے لئے طب کے پیشے کو بھی اختیار کیا جا سکتا ہے ـــــ میں ایک بات اور اپنی بہنوں سے عرض کروں گا کہ بن ٹھن کر بازاروں میں شاپنگ کے لئے جانا' سیر سپاٹے کے لئے تفریح گاہوں میں جانا' مخلوط تقریبات میں شریک ہونا اور مردوں کے سامنے پریڈ کرنا یا کھیلوں میں حصہ لینا از روئے اسلام معصیت کے کام ہیں۔ ان امور میں کتاب و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں دو رائیں ممکن ہی نہیں۔

باہر نکلنے کی صورت میں دیگر ہدایات

اب تک سورۃ الاحزاب کے حوالے سے پردے کے ابتدائی احکام کے بارے میں گفتگو ہوئی ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ پردے کے احکام کی تکمیل سورۃ النور میں ہوئی ہے۔ چونکہ عورت کے باہر نکلنے کے مسئلے کی وضاحت ہو رہی ہے' لہٰذا اس گفتگو سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سورۃ کا ایک حکم اسی موقع پر آپ کو سنا دوں جو اس مسئلے سے گہرا تعلق رکھتا ہے جو میں نے ابھی بیان کیا ہے۔ سورۃ النور کے اسی حکم کی تبیین' توضیح اور تشریح میں بے شمار احکام نبی اکرم ﷺ سے احادیث صحیحہ میں بھی مروی ہیں۔

یہ حکم سورۃ النور کی آیت ۳۱ کے اندر وارد ہوا ہے۔ یہ آیت بھی طویل آیات میں سے ایک ہے اور اس میں عائلی زندگی اور معاشرتی زندگی سے متعلق متعدد احکام ہیں جن کو اس مختصر وقت میں جس حد تک میرے لئے ممکن ہو گا' میں بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔ اس آیت کا یہ حصہ ہماری سابقہ گفتگو سے متعلق ہے:

﴿ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ﴾

"اور وہ اپنے پیر زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہے اس کا علم لوگوں کو ہو جائے۔"

فاطرِ فطرت نے عورت کی چال اور اس کے خرام میں بھی دلکشی اور جاذبیت رکھی ہے۔ یہ بھی اس کی ایک زینت ہے۔ اس کے ساتھ اگر زیوروں کی جھنکار بھی شامل ہو جائے تو یہ بھی مَردوں کی توجّہ منعطف کرنے اور اس کے نفسانی محرکات و جذبات کے لئے مہمیز کا باعث ہو گی۔ لہٰذا قرآن نے اس کو سختی سے منع کر دیا۔ اسی طرح خوشبو لگا کر گھر سے باہر نکلنے کی بھی بڑی تاکیدی ممانعت احادیث میں آئی ہے۔ خرام میں لوچ' زیورات کی جھنکار اور خوشبو کی مہک سے شیطان نفس شریر کو اکسانے کے لئے بڑا کام لینے کی کوشش کرتا ہے۔ لہٰذا اس امکان کے سدِّباب کے لئے اسلام یہ اور اس قسم کی دوسری قدغنیں عائد کرتا ہے۔

گھر کے اندر کا پردہ

میں نے عرض کیا تھا کہ پردے کے احکام سورۂ نور میں جا کر مکمل ہوئے ہیں۔ اب یہ سوال سامنے رکھئے کہ گھر کے اندر کے پردے سے متعلق قرآن مجید نے کیا احکام دیئے ہیں۔ جلباب یا نقاب گھر کے باہر کے پردے (حجاب) سے متعلق ہے جس پر سورۃ الاحزاب میں احکام تفصیل سے آ گئے۔ اب ذہن میں رکھئے کہ گھر کے اندر کے پردے (ستر و حجاب) کے احکام سورۂ نور کی آیات ۲۷ تا ۳۱ میں دیئے گئے ہیں۔ ان آیات میں بیان کردہ تمام احکام پر تفصیلی گفتگو کا وقت نہیں۔ لہٰذا میں ان میں سے چند بہت ہی ضروری احکام اور ان کی تشریح آپ کے سامنے رکھنے کی کوشش کروں گا۔

غضِّ بصر

آیت ۳۰ میں تمام اہلِ ایمان مَردوں کو اور آیت ۳۱ کی ابتداء میں پہلا حکم مسلمان خواتین کو غضِّ بصر کا دیا جا رہا ہے۔ فرمایا:

﴿ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۚ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ ﴾ (النور : ۳۰)

"(اے نبیؐ!) مؤمن مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں بچا کر دیکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔ جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر رہتا ہے۔"

﴿ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ﴾ (النور:۳۱)

"اور (اے نبیؐ!) مؤمن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں بجز اس کے جو خود ظاہر ہو جائے۔ اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں۔"

ان آیات میں غضِّ بصر کا جو حکم آیا ہے اس کو جن لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ یہ سڑک پر چلنے سے متعلق ہے وہ بہت بڑے مغالطے میں پڑ گئے ہیں۔ سڑک پر چلنے کے متعلق تو وہ حکم ہے کہ عورتیں اپنی جلباب میں لپٹ کر اور اس کا ایک پلو چہرے پر ڈال کر نکلیں۔ راستہ دیکھنے کیلئے ان کو اپنی آنکھیں کھلی رکھنی ہوں گی۔ باہر نکلنے کے ضمن میں ایک حکم اسی آیت کے اختتام سے متصلاً قبل ﴿ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ ﴾ کی تشریح میں مَیں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ ان آیات میں غضِّ بصر سے مراد نگاہ بھر کر نہ دیکھنا ہے۔ یعنی مَرد بیوی کے علاوہ کسی محرم خاتون کو اور عورت شوہر کے علاوہ کسی محرم مَرد کو بھی نگاہ بھر کر نہ دیکھے، مبادا شیطان کو کسی غلط جذبے کی اکساہٹ کا موقع مل جائے۔ جب محرموں کے نگاہ بھر کر دیکھنے پر پابندی لگائی جا رہی ہے تو غیر محرموں کے لئے تو خود بخود اس پابندی کا وزن بہت بڑھ جائے گا۔ چنانچہ اس قسم کی دیدہ بازی کو آنکھ کے زنا سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

آگے جو ﴿ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ﴾ یعنی اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں' کا حکم ہے تو اس سے متعدد ضمنی احکام مراد ہیں۔ چنانچہ اس میں ناجائز شہوت رانی سے

پرہیزی نہیں بلکہ ایسے تمام محرکات سے اجتناب بھی شامل ہے جو اس جذبے کی تحریک کا سبب بنیں۔ اس سے ستر پوشی کا حکم بھی مراد ہے کہ کوئی بھی ایک دوسرے کے ستر پر نگاہ نہ ڈالے۔ مرد کے ستر کے حدود نبی اکرم ﷺ نے ناف سے گھٹنے تک مقرر فرمائے ہیں۔ اس حصے کو (جس میں ناف اور گھٹنے دونوں شامل ہیں) بیوی کے سوا کسی اور کے سامنے قصداً کھولنا شریعت نے حرام کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے عورت کا ستر ہاتھ اور منہ کے سوا اس کے پورے جسم کو قرار دیا ہے۔ چہرہ نامحرم مردوں کے لئے بھی ستر میں شامل ہے۔ چہرے اور ہاتھ کے سوا عورت کے جسم کا کوئی حصہ شوہر کے علاوہ کسی اور مرد حتیٰ کہ باپ' بھائی اور بیٹے کے سامنے بھی نہیں کھلنا چاہئے۔ البتہ مرد اور عورت دونوں کے لئے اشد طبی ضرورت کے پیش نظر طبیب اور جراح مستثنیٰ کئے گئے ہیں۔ ایسا لباس پہننے والی عورتوں کو جن کا بدن کپڑوں میں سے جھلکتا ہو' نبی اکرم ﷺ نے "كَاسِيَاتٍ عَارِيَاتٍ" یعنی "کپڑے پہننے کے باوجود عریاں" قرار دیا ہے۔

بخاری میں حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک طویل روایت کے آخری الفاظ ہیں:

((رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٌ فِي الْآخِرَةِ))(۱)

"دنیا میں اکثر کپڑے پہننے والیاں آخرت میں ننگی ہوں گی۔"

یہاں ایسے باریک اور ایسے چست کپڑے پہننے مراد ہیں جن سے جسم جھلکے یا عورت کی رعنائی کی چیزیں نمایاں ہوں۔

زیر نظر آیت میں آگے خواتین کے گھر کے پردے کے لئے ایک اور حکم آ رہا ہے۔ فرمایا:

﴿ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ ﴾

"اور (عورتیں) اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈال لیا کریں یا (آنچل مار لیا کریں)۔"

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب العلم' باب العلم والعظة باللیل ودیگر ابواب

"خمر" کے معنی کسی چیز کو چھپانے کے ہیں۔ اسی سے لفظ خمار بنا ہے۔ امام راغب اصفہانی (لغاتِ عربی کے مشہور امام) نے "مفردات القرآن" میں لکھا ہے کہ یہ لفظ (خمار) عورت کی اوڑھنی کے لئے بولا جاتا ہے' اس کی جمع خُمُر آتی ہے۔ اس سے وہ اوڑھنیاں مُراد ہیں جسے اوڑھ کر سر' کمر' سینہ سب اچھی طرح ڈھانپ لئے جائیں۔ اسی کو ہمارے ہاں دوپٹہ کہا جاتا ہے۔ یہ دوپٹہ باریک کپڑے کا نہیں ہونا چاہئے۔ آج کل کی فیشن زدہ نوجوان لڑکیاں جس قسم کا دوپٹہ استعمال کرتی ہیں وہ اس حکم کے منشاء کو پورا نہیں کرتا بلکہ اس کے بالکل خلاف ہے۔ یہ بات سمجھ لیجئے کہ گھر میں رہتے ہوئے بھی یہ چیز پسندیدہ نہیں ہے کہ نوجوان لڑکی کا سینہ بغیر دوپٹے کے ہو' سر کھلا ہو اور وہ گھر میں گھوم رہی ہو۔ کرتے یا قمیص کا گریبان پوری طرح ساتر نہ ہو تو باپ اور بھائی کے سامنے بھی اس طرح آنے کی شریعت میں بالکل اجازت نہیں ہے۔ اس لئے کہ عورت کے جسم میں سب سے زیادہ جاذبِ نظر اس کا سینہ ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک طرف مَردوں کو غضِّ بصر کا حکم ہے تو دوسری طرف عورتوں کو اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رکھنے کا ـــــ گھر میں محرموں کے لئے عورت کے چہرے' ہاتھ اور پاؤں کے علاوہ پورا جسم ستر ہے' وہ بہر حال ڈھکا رہے گا۔ جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ کسی باپ اور کسی بھائی کے لئے ان تین چیزوں کے سوا کسی اور حصّے کا کھلا دیکھنا جائز نہیں ہے۔ عورت کی رعنائی و دلربائی اور اس کی کشش کو کون نہیں جانتا۔ اس لئے گھر کے ادارے میں پاکیزہ ماحول قائم رکھنا ضروری ہے۔ اس کے لئے یہ تمام احکام دیئے گئے ہیں۔ کپڑے تنگ نہ ہوں' باریک نہ ہوں۔ کپڑوں کی تراش خراش ایسی نہ ہو کہ عورت کے نشیب و فراز اُبھریں اور نہ ہی ان سے بدن جھلکے۔ عورت کے جسم میں سینے کا ابھار وہ شے ہے کہ اس پر اگر صرف کرتہ پہن لیا جائے تو بھی وہ پوری طرح نہیں چھپے گا۔ لہٰذا اس کے لئے خاص طور پر حکم دیا گیا کہ ﴿ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ﴾ [1] لہٰذا نوٹ کر لیجئے کہ عورت

---

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد مدینہ کا کوئی گھر (اگلے صفحہ پر)

کے گھر کے لئے ستر اور حجاب کے یہ آداب و شرائط اور احکام ہیں۔ ایک طرف ان ہدایات کو دیکھئے' دوسری طرف اس نقشے پر نظر ڈالئے جو عام طور پر ہمیں اپنے معاشرے کے خوش حال اور تعلیم یافتہ گھرانوں میں نظر آتا ہے جو اِن تعلیمات کی سراسر ضد ہے۔ اسی پر اس کو بھی قیاس کر لیجئے کہ بلا جلباب یا نقاب اور دوپٹہ[1] اور بناؤ سنگھار کے ساتھ عورت کا گھر سے نکلنا شریعت کے نزدیک کس درجے کی معصیت ہو سکتی ہے!

محرم کون ہیں؟

اس سے آگے فرمایا:

﴿ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ ﴾

"اور وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔"

اس کے بعد اِلَّا سے مستثنیات (محرموں) کی ایک فہرست عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ تک چلی گئی ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اس سے کون سی زینت مُراد ہے جس کی مستثنیات (محرموں) کے سامنے اظہار کی اجازت دی جا رہی ہے۔ اس کو یوں سمجھئے کہ عورت گھر میں ہے' اس نے لباس پورا پہنا ہوا ہے' پھر بھی اس کا چہرہ ہے' اس کے ہاتھ پاؤں ہیں' اس نے اوڑھنی اوڑھی ہوئی ہے۔ پھر اس کا ایک نسوانی

(گزشتہ صفحہ سے) ایسا نہ تھا جس میں عورتوں نے باریک کپڑے چھوڑ کر اپنے موٹے کپڑے چھانٹ کر ان کے دوپٹے نہ بنا لئے ہوں (سنن ابی داؤد)۔ اسی سنن ابی داؤد میں دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مصر کی بنی ہوئی باریک ململ کی ایک چادر سے ایک بڑا ٹکڑا ان کو دیا اور فرمایا کہ اس کے ایک حصے سے اپنا کرتہ بنا لینا اور ایک حصہ اپنی بیوی کو دوپٹہ بنانے کے لئے دے دینا' لیکن اس کو تاکید کر دینا کہ "تَجْعَلُ تَحْتَهٗ ثَوْبًا لَا يَصِفُهَا" یعنی اس کے نیچے ایک کپڑا اور لگا لے تاکہ جسم اندر سے نہ جھلکے۔ (مرتب)

(۱) جس دوپٹے کا کچھ رواج "روشن خیال" طبقے کی خواتین میں باقی نظر آتا ہے' اس کی حیثیت محض فیشن اور زیب و زینت کے ایک جزو کی ہے۔ (مرتب)

وجود ہے۔ یہ تمام چیزیں زینت اور رعنائی کی حامل ہیں۔ ان میں جو زینت ازخود ظاہر ہو رہی ہے یا تیز ہوا یا کسی اور وجہ سے جلباب یا نقاب یا خمار (دوپٹہ) اڑ جائے یا چادر اور اوڑھنی کے باوجود بھی عورت کی نسوانیت کی کشش تو ختم نہیں ہو سکتی' اس کو آخر عورت کیسے چھپائے گی؟ عورت اپنے باپ' بھائی' بیٹے' چچا' ماموں اور دوسرے محرموں کے سامنے آئے گی۔ چنانچہ اسی آیت میں پہلے ہی فرمادیا گیا تھا کہ:

﴿ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ﴾

"وہ اپنی زینت نہ دکھائیں اس کے سوا جو ازخود ظاہر ہو جائے۔"

ظاہر کرنے اور ظاہر ہونے کے فرق کو ملحوظ رکھا جائے تو جو بات یہاں فرمائی جا رہی ہے وہ بآسانی سمجھ میں آجائے گی۔ اس تصریح کو سامنے رکھئے اور آیت کا متعلقہ حصہ اور اس کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔ فرمایا:

﴿ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ﴾

"اور (عورتیں) اپنی زینت نہ ظاہر کریں مگر ان لوگوں کے سامنے: شوہر' باپ' شوہروں کے باپ' اپنے بیٹے' شوہروں کے بیٹے' بھائی' بھائیوں کے بیٹے' بہنوں کے بیٹے' اپنے میل جول کی عورتیں' اپنے لونڈی غلام' وہ زیردست مرد جو کسی قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں' اور وہ بچے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے ابھی واقف نہ ہوئے ہوں۔"

آگے فرمایا:

﴿ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ﴾

"اور وہ (عورتیں) اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی زینت جو انہوں نے چھپا رکھی ہے اس کا لوگوں کو علم ہو جائے۔"

اس کی تشریح میں پہلے ہی کر چکا ہوں۔ اب آیت کا اختتام ہوتا ہے اس پر کہ :

﴿ وَتُوبُوٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ ﴾

"اللہ کی طرف رجوع کرو تم سب کے سب اے ایمان والو! تاکہ تم کامیابی حاصل کرو۔"

اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس معاملے میں اب تک جو لغزش، غلطی اور کوتاہی ہوتی رہی ہے اس سے توبہ کرو اور اپنے طرزِ عمل کی اللہ اور اس کے رسول ؐ کی ہدایات کے مطابق اصلاح کرلو۔

استیذان کا حکم

گھروں میں داخلے کے لئے بھی قرآن حکیم نے احکام دیئے ہیں، کیونکہ اس کا بھی پردے کے آداب سے گہرا تعلق ہے۔ باہر سے کسی کو کیا معلوم کہ گھر والے کس حال میں ہیں! اجازت لینے کا طریقہ از روئے قرآن یا تو بلند السلام علیکم کہنا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے تعلیم دی ہے کہ تین مرتبہ سلام بھیجنے یا دستک دینے پر کوئی جواب نہ ملے تو واپس چلے جاؤ۔ لہٰذا اس میں دستک دینا بھی شامل ہو گیا۔ مرد اور عورت دونوں کے لئے اجازت لینا ضروری ہے، البتہ عورت صرف دستک دے گی۔ آنحضور ﷺ کا ایک اور حکم بھی احادیث میں آیا ہے کہ اگر کوئی بغیر اجازت تمہارے گھر میں جھانکے اور تم اس کو ڈھیلا مار دو جس سے چاہے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اس سے گھر اور چار دیواری کا تقدس ظاہر ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں دو جگہ استیذان کا حکم آیا ہے۔ ایک سورۂ نور کے چوتھے رکوع کی ابتدائی آیات میں آیا ہے جن میں سے آیت ۲۷ اور ۲۸ مع ترجمہ ملاحظہ کیجئے :

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا

تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ○ ﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی رضا نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو۔ یہ طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے' توقع ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے۔ پھر وہاں اگر کسی کو نہ پاؤ تو داخل نہ ہو جب تک کہ تم کو اجازت نہ دے دی جائے' اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس ہو جاؤ' یہ تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔"

غزوات اور جنگوں میں خواتین کی شرکت

ہماری چند بہنیں ان واقعات سے جو سیرت اور تاریخ کی کتب میں غزوات اور اسلام کے غلبے کیلئے جنگوں میں شرکت سے متعلق آئے ہیں' یہ استدلال کرتی ہیں کہ عورتوں کو مختلف شعبہ ہائے زندگی میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کی اجازت ہے۔ حالانکہ یہ استدلال ہی سرے سے غلط ہے۔ کسی استثنائی صورت حال کو عام معمولات پر منطبق کرنا کسی منطق اور دلیل سے صحیح نہیں ہے۔ اس کی حیثیت محض ریت کے ٹیلے کی ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں۔ پھر اس مغالطے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حجاب کے احکام تدریجاً آئے ہیں' اس لئے ان احکام کے نزول سے قبل غزوات میں عورتوں کی شرکت کا ثبوت ملتا ہے۔ پہلا غزوۂ بدر ہوا تو اس سلسلے میں سنن ابی داؤد میں روایت آئی ہے کہ اُمّ ورقہ رضی اللہ عنہا بنتِ نوفل نے بدر میں شرکت کی اجازت مانگی تھی لیکن نبی اکرم ﷺ نے ان کو اجازت نہیں دی تھی۔ اس کے بعد غزوۂ اُحد کا معرکہ ہوا' جس میں ایک غلطی کی وجہ سے مسلمانوں کا کافی جانی نقصان ہوا۔ خود نبی اکرم ﷺ زخمی ہوئے۔ یہ غزوہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے مسلمانوں کیلئے انتہائی صدمے کا باعث تھا۔ یہ بڑی ہنگامی صورت حال تھی۔ اس میں چند صحابیات رضی اللہ عنہن کی شرکت ثابت ہے جن میں سے کچھ نے باقاعدہ جنگ میں حصہ لیا اور

اللہ کی راہ میں شہید بھی ہوئیں' بلکہ بعض عورتوں نے زخمیوں کو پانی پلایا' ان کی مرہم پٹی کی اور تیر اٹھا اٹھا کر مجاہدین کو دیئے۔ پھر غزوۂ احزاب (خندق) ہے۔

جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ ان تینوں غزوات کے بعد سورۃ الاحزاب اور سورۃ النور کا نزول ہوا جن میں حجاب اور ستر کے تفصیلی احکام آئے ہیں۔ لہٰذا ان سورتوں کے نزول سے قبل کے واقعات تو دلیل نہیں بن سکتے' کیونکہ ابھی پردے کے احکام آئے ہی نہیں تھے۔۔۔۔۔ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے غزوات میں عورتوں کی شرکت کی حوصلہ شکنی فرمائی ہے۔ اس کے متعلق چند احادیث میں آپ کو سنا رہا ہوں۔ مسند احمد اور صحیح بخاری کی روایت ہے :

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ : یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَرَی الْجِهَادَ اَفْضَلَ الْعَمَلِ' اَفَلَا نُجَاهِدُ؟ قَالَ : ((لَا' لٰكِنَّ اَفْضَلَ الْجِهَادِ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ))[1]

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم جہاد کو سب سے افضل نیکی سمجھتی ہیں تو کیا ہم جہاد نہ کریں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "نہیں' بلکہ تمہارے لئے سب سے افضل نیکی حج مبرور ہے۔"

صحیح بخاری کے الفاظ یہ ہیں : ((جِهَادُكُنَّ الْحَجُّ)) "تمہارا جہاد حج ہے"۔

غزوات میں خواتین کی شرکت کی نبی اکرم ﷺ نے جو حوصلہ شکنی فرمائی ہے اس کی واضح دلیل اور اس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے جو غزوۂ خیبر کے دوران پیش آیا۔ یہ غزوہ ۷ھ میں ہوا تھا۔ اس واقعہ کو امام احمدؒ نے اپنی مسند اور امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے' جو صحاح ستہ میں شامل ہے۔ آپ حضرات اور بہنیں اس کو توجہ سے سنیں اور خدا کے لئے غور کریں کہ جو دلیلیں وہ لے آتی ہیں وہ کس قدر غلط اور بے محل ہیں اور ان کو صحیح طور پر نہ سمجھنے سے کیا کیا مغالطے پیدا ہو رہے ہیں۔ فرمایا :

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الحج' باب فضل الحج المبرور

عَنْ حَشْرَجَ بْنِ زِيَادٍ عَنْ جَدَّتِهِ أُمِّ اَبِيْهِ اَنَّهَا خَرَجَتْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ خَيْبَرَ سَادِسَ سِتِّ نِسْوَةٍ' فَبَلَغَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ اِلَيْنَا فَجِئْنَا فَرَاَيْنَا فِيْهِ الْغَضَبَ فَقَالَ : ((مَعَ مَنْ خَرَجْتُنَّ وَبِاِذْنِ مَنْ خَرَجْتُنَّ؟)) فَقُلْنَا : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ خَرَجْنَا نَغْزِلُ الشَّعْرَ وَنُعِيْنُ بِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَعَنَا دَوَاءُ الْجَرْحٰى وَنُنَاوِلُ السِّهَامَ وَنَسْقِي السَّوِيْقَ' قَالَ : ((قُمْنَ فَانْصَرِفْنَ)) حَتّٰى اِذَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ خَيْبَرَ اَسْهَمَ لَنَا كَمَا اَسْهَمَ لِلرِّجَالِ' فَقُلْتُ لَهَا : يَا جَدَّةُ وَمَا كَانَ ذٰلِكَ؟ قَالَتْ تَمْرًا[۱]

"حشرج بن زیاد اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ غزوۂ خیبر کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے ساتھ نکلیں۔ پانچ عورتوں کے ساتھ چھٹی وہ تھیں۔ کہتی ہیں کہ جب حضور اکرم ﷺ کو ہمارے نکلنے کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے ہمیں بلوایا۔ ہم حاضر ہوئیں تو ہم نے آپؐ کو غضب ناک پایا۔ آپؐ نے پوچھا: "تم کس کے ساتھ نکلیں اور کس کی اجازت سے نکلیں؟" ہم نے عرض کیا: ہم چلی آئی ہیں' ہم اون کاتیں گی اور اس کے ذریعے اللہ کی راہ میں مدد کریں گی۔ ہمارے ساتھ کچھ مرہم پٹی کا سامان بھی ہے' ہم تیر پکڑا دیں گی' ستو گھول کے پلا دیں گی۔ آپ نے فرمایا: "چلو' واپس جاؤ۔" پھر جب اللہ نے خیبر کو فتح کرا دیا تو حضور اکرم ﷺ نے ہم کو مردوں کی طرح حصہ دیا۔ میں نے پوچھا: دادی کیا چیز ملی تھی؟ دادی نے کہا: کھجوریں!"

اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ کے تیور پہچانئے۔ راویہ رضی اللہ عنہا بتا رہی ہیں کہ ان کے نکلنے اور لشکر میں شامل ہونے پر آنحضور ﷺ غضب ناک ہوئے۔ آپؐ کے سوال سے کہ ((مَعَ مَنْ خَرَجْتُنَّ وَبِاِذْنِ مَنْ خَرَجْتُنَّ؟)) اور پھر اس حکم سے بھی کہ

---

(۱) سنن ابی داؤد' کتاب الجہاد' باب فی المراۃ والعبد یحذیان من الغنیمۃ ومسند احمد۔

((فَمَنْ فَانْصَرِفْنَ)) آپؐ کی ناراضگی اور برافروختگی ظاہر ہو رہی ہے۔ آپؐ نے ان خواتین کو جو کھجوریں عطا کی تھیں وہ اس لئے کہ بہرحال یہ غزوے کے لئے نکلی تو تھیں۔

اب اس سے عمل کے غزوات سے استدلال کیا جائے تو ان کو اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ قرآن مجید میں جب تک شراب کی حرمت نہیں آئی تھی، مسلمان شراب پیتے رہے۔ کیا اس سے شراب کے حلال ہونے پر دلیل لانا صحیح ہو گا؟ اسی طرح جب تک سود کی حرمت کا حکم نہیں آیا، سود لیا اور دیا جاتا رہا۔ تو کیا اس سے سود کے حلال ہونے پر دلیل لائی جائے گی؟ لہٰذا ہم کو یہ بات پیش نظر رکھنی ہو گی کہ احکام تدریجاً آئے ہیں اور جب دین مکمل ہوا تو دو ٹوک انداز میں فرما دیا گیا:
﴿اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ یہ آیت آنحضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے آخری زمانے میں نازل ہوئی ہے، لہٰذا ہمیں اب بحیثیتِ کل شریعت، قانونِ اسلامی اور دین کے مجموعی مزاج کو ہر مسئلے میں اپنے سامنے رکھنا ہو گا اور اس کا اتباع کرنا ہو گا۔

نمازِ باجماعت اور خواتین

اس مسئلے میں دو رائیں ممکن ہی نہیں کہ اسلام کا اہم ترین رکن صلوٰۃ ہے۔ اس کو نبی اکرم ﷺ نے "عِمَادُ الدِّیْنِ" اور "قُرَّۃُ عَیْنِیْ" فرمایا ہے۔ اسی کو کفر اور اسلام میں مابہ الامتیاز قرار دیا ہے۔ پھر احادیث میں نمازِ باجماعت کی بے انتہا تاکید و ترغیب ملتی ہے۔ لیکن مسلمان عورت کے لئے احادیث میں برعکس ہدایات ملتی ہیں۔ اس کو اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ وہ نماز گھر میں ادا کرے۔ مثلاً سنن ابی داؤد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث منقول ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((صَلَاۃُ الْمَرْاَۃِ فِیْ بَیْتِهَا اَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِیْ حُجْرَتِهَا

وَصَلاَتُهَا فِیْ مَخْدَعِهَا اَفْضَلُ مِنْ صَلاَتِهَا فِیْ بَیْتِهَا))[1]

"عورت کا اپنی کوٹھڑی میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنے کمرے میں نماز پڑھے۔ اور اس کا اپنے چور خانہ میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنی کوٹھڑی میں نماز پڑھے۔"

یہی ترغیب ایک عکسی ترتیب سے امام احمد اور طبرانی نے ام حمید ساعدیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے :

قَالَتْ : یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اُحِبُّ الصَّلاَةَ مَعَكَ' قَالَ : ((قَدْ عَلِمْتُ' وَصَلاَتُكِ فِیْ بَیْتِكِ خَیْرٌ لَّكِ مِنْ صَلاَتِكِ فِیْ حُجْرَتِكِ وَصَلاَتُكِ فِیْ حُجْرَتِكِ خَیْرٌ مِّنْ صَلاَتِكِ فِیْ دَارِكِ' وَصَلاَتُكِ فِیْ دَارِكِ خَیْرٌ مِّنْ صَلاَتِكِ فِیْ مَسْجِدِ قَوْمِكِ' وَصَلاَتُكِ فِیْ مَسْجِدِ قَوْمِكِ خَیْرٌ مِّنْ صَلاَتِكِ فِیْ مَسْجِدِ الْجُمُعَةِ))[2]

"انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! جی چاہتا ہے کہ آپ کے ساتھ نماز پڑھوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا : مجھے معلوم ہے' مگر تیرا اپنے گھر کے ایک گوشے میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تو اپنے حجرے میں نماز پڑھے' اور تیرا حجرے میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تو اپنے گھر کے دالان میں نماز پڑھے اور تیرا دالان میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تو اپنے محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھے اور تیرا اپنے محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تو جامع مسجد میں نماز پڑھے۔"

جمعہ ہر مسلمان پر فرض ہے' یہ نماز بغیر جماعت کے ادا ہی نہیں ہوتی لیکن اس سے بھی عورت مستثنیٰ ہے۔ چنانچہ سنن ابی داوٗد ہی کی روایت ہے :

((اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ فِیْ جَمَاعَةٍ اِلاَّ عَلٰی

---

(۱) ابوداوٗد' کتاب الصلاۃ' باب ما جاء فی خروج النساء الی المساجد

(۲) مسند احمد' ح ۲۶۵۵۰

أَرْبَعَةٌ: عَبْدٌ مَمْلُوكٌ أَوِ امْرَأَةٌ أَوْ صَبِيٌّ أَوْ مَرِيضٌ)) [1]

"جمعہ کی نماز باجماعت ادا کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے' مگر چار شخص مستثنیٰ ہیں:
غلام' عورت' بچہ اور مریض۔"

عورتوں کو مسجد میں آنے سے قطعی طور پر منع نہیں کیا گیا' لیکن ان کو بہت سی پابندیوں کے ساتھ مسجد میں آنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس طرح اس معاملے میں اس کی حوصلہ افزائی کے بجائے حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔

عیدین اور خواتین

البتہ عیدین میں عورتوں کو لانے کی احادیث میں تاکید ملتی ہے۔ اس کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ عیدین میں خطبہ ہوتا تھا جس میں تعلیم ہوتی ہے' اس لئے ان میں عورتوں کی شرکت کی تاکید ہے۔ البتہ عورتوں کے اجتماع کے لئے بالکل علیحدہ خیموں میں پورے پردے کے ساتھ اہتمام ہوتا تھا۔ پھر چونکہ اس وقت لاؤڈ سپیکر تو تھا نہیں لہٰذا آنحضور ﷺ ایک خطبہ مردوں کو ان کے اجتماع میں ارشاد فرماتے اور پھر خواتین کے خیمے کے پاس جا کر دوسرا خطبہ ان خواتین کے لئے ارشاد فرمایا کرتے تھے۔[2] جمعہ کی نماز میں عورتوں کی شرکت گو فرض نہیں' نہ اس کے لئے تاکید ہے اور نہ ممانعت ہے' لیکن چونکہ خطبہ جمعہ میں تعلیم و تذکیر اور تلقین ہوتی ہے تو ایسی مساجد میں جہاں مادری زبان میں اس کا انتظام ہو' خواتین بالکل

---

(۱) سنن ابی داؤد' کتاب الصلاۃ' باب الجمعۃ للمملوک والمرأۃ

(۲) صحاح ستہ میں شامل سنن ابن ماجہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی خواتین کو عیدین کی نماز کے لئے لے جایا کرتے تھے۔ اسی طرح جامع ترمذی میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کنواری اور جوان لڑکیوں اور گھر گھرستنوں اور ایام والی عورتوں کو عیدین میں لے جاتے تھے۔ جو عورتیں نماز کے قابل نہ ہوتیں وہ جماعت سے الگ رہتیں' خطبہ سنتیں اور دعا میں شریک ہوتیں۔ ایک اور روایت میں آنحضور ﷺ نے عیدین میں خواتین کو لانے کی تاکید کی ہے' لیکن دور حاضر کے علماء احناف اس کے بالکل قائل نہیں ہیں۔ (مرتب)

علیحدہ مقام پر ان شرائط کے ساتھ جو مسجد میں آنے کے لئے اسلام نے خواتین پر عائد کی ہیں، جمع ہو کر خطبہ بن سکتی اور نماز باجماعت ادا کر سکتی ہیں۔ عام فرض نمازوں میں عورتوں کا شریک ہونا پسندیدہ نہیں ہے کیونکہ ان میں تذکیر و تعلیم اور وعظ و نصیحت کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ یہ ہے ہمارے دین کا مجموعی مزاج۔

ایک تکلیف دہ بات

اس معاملے میں ایک تکلیف دہ بات یہ ہے کہ اخبارات میں ہمارے بعض مفتیانِ کرام کے بیانات آئے ہیں کہ جن میں انہوں نے بلاقید اجازت دی ہے کہ خواتین دفتروں میں جائیں، وہاں وہ کام کر سکتی ہیں۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ خواتین اپنے حقوق کے لئے مظاہرے کر سکتی ہیں اور کہا گیا ہے کہ تحریک نظامِ مصطفیٰؐ کے موقع پر بھی مسلمان خواتین نے جلوس نکالے اور مظاہرے کئے تھے۔ ان کرم فرما حضرات میں سے بعض نے مجھے انتہاپسند قرار دیا ہے۔ مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ "جنگ" میں خواتین سے متعلق میرے جو خیالات شائع ہوئے ہیں ان پر اسی شہر لاہور کی بعض مساجد میں جمعہ کے اجتماعات کے موقع پر خطیب حضرات نے فرمایا ہے کہ "ڈاکٹر اسرار احمد عورتوں کو قید میں رکھنے کا قائل ہے۔ اسلام عورتوں کو پوری آزادی دیتا ہے اور اس نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں"۔ یہ کتنی تکلیف دہ اور افسوس ناک بات ہے کہ سیاست اور فرقہ وارانہ تعصب اور گروہ بندی کی وجہ سے ہمارے دین اور قرآن کے ساتھ تلعّب (کھیل تماشہ) کا رویہ اختیار کیا جا رہا ہے۔ [1] انہی مفتیانِ کرام سے اگر آپ فتویٰ

---

(۱) الحمد للہ ثم الحمد للہ ہمارے ملک میں ایسے علماء حق، سیاسی و سماجی زعماء، تعلیم یافتہ حضرات و خواتین اور مدیران اخبارات و رسائل بڑی کثیر تعداد میں موجود ہیں جن میں دین کے لئے پوری غیرت و حمیت موجود ہے۔ چنانچہ بعض نظری اختلافات کے باوصف ان سب نے تجدد پسند، مغرب زدہ اور عقل پرست ایک قلیل لیکن اعلیٰ مناصب پر فائز ہونے کی وجہ سے مؤثر طبقے نے ڈاکٹر صاحب کے خالص اسلامی نقطۂ نظر پر جو شور شرابا اٹھایا تھا، (باقی اگلے صفحہ پر)

لیں کہ کیا عورت مسجد میں آکر فرض نماز ادا کر سکتی ہے تو یقیناً وہ اس کی اجازت نہیں دیں گے۔ حد یہ ہے کہ یہ حضرات عیدین میں بھی عورتوں کو لانے کی اجازت نہیں دیتے' حالانکہ احادیث صحیحہ میں عورتوں کو عیدین میں لانے کی صراحت کے ساتھ تاکید موجود ہے' لیکن وہ دفتروں میں مردوں کے دوش بدوش خواتین کے کام کرنے کے متعلق یہ فرما رہے ہیں کہ اس میں کوئی قباحت نہیں۔ اس طرح ان کا تضاد فکری بہت نمایاں ہو کر سامنے آ رہا ہے۔ ایسے ہی رجالِ دین کے لئے علامہ اقبال مرحوم نے کہا تھا ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

وہ مسجدوں میں عورتوں کا آنا گوارا نہیں کرتے لیکن دفتروں میں عورتوں کے جانے کے متعلق کہہ رہے ہیں کہ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

خواتین کے لئے نماز کی ادائیگی کی فضیلت کے جو مدارج آنحضور ﷺ نے متعین فرمائے ہیں' ان کو دو حدیثوں کے حوالے سے آپ کو بتا چکا ہوں۔ غور کیجئے یہ تاکید کس لئے ہے۔ اس لئے کہ عورت میں اللہ تعالیٰ نے جو نسوانی حسن' رعنائی' دل ربائی اور کشش و جاذبیت رکھی ہے اور رکوع و سجود کی حالت میں اس کے جسم کی جو صورت ہوتی ہے اس کا تقاضا ہے کہ تنہائی میں جہاں کوئی آنکھ اسے ان حالات میں دیکھنے والی نہ ہو' نماز ادا کرنا عورت کے لئے زیادہ بہتر' افضل اور موجبِ اجر و ثواب ہو گا۔ لیکن وائے افسوس کہ ہماری بہنیں جس طرح بناؤ سنگھار کے ساتھ سرکاری دفاتر اور دوسرے اداروں میں کام کرنے کے لئے جایا کرتی ہیں' جہاں

(گزشتہ صفحہ سے) اس کے خلاف عین غیرتِ دینی کے تحت شدید ردعمل کا اظہار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ علامہ اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا تھا ؎

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی! (مرتب)

مردوں کے ساتھ ملنے جلنے اور ساتھ ساتھ کام کرنے کے مواقع ہوتے ہیں' اس کی اصلاح اور سدِّ باب کی کوشش کرنے اور ان خواتین کو اپنا اسلامی تشخص اور کردار برقرار رکھنے اور اپنی عاقبت سنوارنے کی تلقین و نصیحت کرنے کے بجائے اُلٹا یہ حضرات ان کو اس روش پر قائم رہنے کی شہ دے رہے ہیں۔ ؏ بہ بیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا!

دیہات کی معاشرت سے استدلال

دیہات میں عورتیں جو کام کرتی ہیں اس کو خواتین کے دفتروں میں کام کرنے کے جواز کے لئے بڑے زور و شور سے آج کل بطورِ دلیل پیش کیا جا رہا ہے۔ دیہات کی معاشرت اور شہروں کی معاشرت میں جو فرق و تفاوت ہے اس کو ہمارے بھائی اور بہنیں نظر انداز کر رہی ہیں۔ جب بحث برائے بحث اور ضد برائے ضد کی صورت حال پیدا ہو جائے تو ایسی صورت میں اظہر من الشمس جیسی چیزیں بھی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہیں۔ اس ضمن میں ان سے میں عرض کروں گا کہ غور کریں کہ جو خواتین دیہاتوں میں کام کرتی ہیں کیا وہ نامحرموں کے ساتھ کام کرتی ہیں؟ اگر وہ کھیت پر روٹی لے کر جاتی ہیں تو کن کے لئے؟ ظاہر ہے کہ باپ کے لئے' شوہر کے لئے' بھائی یا بیٹے کے لئے لے کر جاتی ہیں۔ اپنے کھیت میں اگر وہ کام کر رہی ہوتی ہیں تو کیا ان کے شانہ بشانہ نامحرم کام کر رہے ہوتے ہیں؟ دیہات میں عورتوں کے کام کا جو ماحول ہوتا ہے وہ اکثر و بیشتر اپنے اپنے گھروں سے متعلق ہوتا ہے جہاں وہ اپنے ڈھور ڈنگروں کی دیکھ بھال کرتی ہیں۔ وہاں نامحرموں کے ساتھ معاملہ نہیں ہوتا۔ یا اگر کوئی عورت کھیت میں کام کرنے جاتی ہے تو وہاں بھی بنیادی طور پر اس کا نامحرموں سے نہیں بلکہ محرموں کے ساتھ ہاتھ بٹانے کا معاملہ ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ ہمارے دفتروں کا جو ماحول ہے اور وہاں خواتین جس سج دھج سے جاتی ہیں اس کو بھی ملحوظ خاطر رکھئے۔ آخر عورت کی فطرت ہے' زیب و زینت اس کی کمزوری ہے۔ کیا

دیہات میں کام کرنے والی خواتین اور شہروں کی ان خواتین میں کوئی نسبت ہے؟ اس فرق و تفاوت کو سامنے رکھئے' زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اس ضمن میں آخری بات میں یہ عرض کروں گا کہ اگر ہمارے معاشرے میں دیہات میں کوئی غلط چیز ہو رہی ہو تو کیا اس کو سامنے رکھ کر آپ دین کو بدل دیں گے؟ ہماری دینی ذمہ داری تو یہ ہو گی کہ اگر دیہات میں اسلامی تعلیمات کے مطابق طور طریقے رائج نہیں ہیں تو ان کی اصلاح کی فکر کریں نہ کہ دیہات کے غلط طرزِ عمل اور رسوم و رواج کو دلیل بنا کر اپنی غلط روی کیلئے جواز پیدا کریں۔ وہاں اگر ستر و حجاب کی پابندی نہیں ہو رہی تو کرانے کی ضرورت ہے' بجائے اس کے کہ وہاں کی کسی غلط بات کو اپنے لئے دلیل بنائیں۔ اول تو زمین و آسمان کا فرق ہے جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا' لیکن اگر کوئی کمی ہے تو اس کمی کو پورا کرنا ہو گا۔ خرابی ہے تو اصلاح کی کوششیں کرنا ہوں گی' کیونکہ ہمارا امام قرآن ہے' ہمارے لئے حاکم قرآن ہے۔ ہمارے لئے اللہ اور رسولؐ کے احکام ہی حجت و دلیل اور لائق اتباع ہیں نہ دیہات کا کوئی طرزِ عمل اور رسم و رواج نہ ہمارے لئے دلیل و برہان ہیں نہ حجت ــــ عرب کے دیہاتوں میں عرب خواتین جس طرح ستر و حجاب کے ساتھ محرموں کے شانہ بشانہ کام کرتی ہیں اس کے متعلق میں اپنا مشاہدہ آپ کے سامنے بیان کر چکا ہوں۔

استثنائی صورتیں

اگر جہاد و قتال فی سبیل اللہ کا کوئی ایسا مرحلہ پیش آجائے کہ خواتین کی خدمات بھی ناگزیر ہو جائیں تو ایسی صورت میں مسلمان خواتین حسبِ ضرورت اس جہاد و قتال میں حصہ لے سکتی ہیں۔ یہ ایک استثنائی (exceptional) معاملہ ہو گا۔ لیکن یہ کون سی معقول دلیل ہے کہ استثنائی اور ہنگامی یا اضطراری صورتِ حال کے لئے شریعت میں جو گنجائش رکھی گئی ہے اس کو معمولات پر بھی منطبق (apply) کیا جائے اور اس استثناء کو ایک قاعدہ کلیہ بنا کر اس سے خواتین کے لئے دفتروں' کارخانوں'

ریڈیو اور ٹی وی پر کام کرنے کیلئے جواز پیدا کیا جائے[1] ــــ اسلام موم کی ناک نہیں ہے کہ حسب خواہش اسے جس طرف چاہیں موڑ لیا جائے۔ یہ فعل دین کے ساتھ تلعّب کے زمرے میں آئے گا' جس پر قرآن میں بڑی وعید آئی ہے۔ ہمارا دین' دین فطرت ہے۔ اس میں تنگی نہیں رکھی گئی۔ نبی اکرم ﷺ کا قول ہے کہ ((اَلدِّیْنُ یُسْرٌ)) "دین میں آسانی ہے"۔ اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا : ((یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا)) "آسانی پیدا کرو' تنگی پیدا نہ کرو"۔ خانگی حالات ایسے ہوں کہ واقعی کوئی عورت ملازمت پر مجبور ہو جائے اور اسے گھر سے نکلنے کے سوا چارہ نہ ہو تو وہ ایسا کر سکتی ہے۔ لیکن اسے ستر و حجاب کی تمام پابندیوں پر عمل کرتے ہوئے معاشی جدوجہد میں حصہ لینا ہو گا۔ یہ ممنوع نہیں ہے۔ لیکن جہاں بے پردگی اور مردوں کے ساتھ اختلاط کا معاملہ ہو تو ہمارا دین اس میں حصہ لینے کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ دیگر مستثنیات بھی ہیں۔ مثلاً یہ کہ کوئی خاتون ڈوب رہی ہو' آگ میں گھر گئی ہو' سڑک پر چلتے ہوئے کسی حادثے سے دوچار ہو گئی ہو تو ان میں یا اسی قسم کے دیگر حادثات کی صورت میں ستر و حجاب کی قیود اور نامحرموں کے لمس کی پابندی عارضی طور پر ساقط ہو جائے گی۔ یہ حالات حقیقی اور واقعی طور پر اضطراری حالات کہلائیں گے اور اس کی شریعت نے گنجائش رکھی ہے۔

اربابِ اقتدار سے گزارش

اب مجھے اربابِ اقتدارِ وقت سے کچھ باتیں عرض کرنی ہیں۔ اگر واقعتاً خلوص کے ساتھ ان کے پیش نظر اس ملک میں اسلامی نظام کا نفاذ ہے تو انہیں سنجیدگی کے

(۱) یہ تو بالکل ایسی ہی جسارت ہو گی کہ جیسے قرآن نے جان بچانے کے لئے مضطر کو مردار اور ایسی ہی حرام چیزوں کے غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ کی شرط کے ساتھ کھانے کی اجازت دی ہے ـــ اب اضطراری اس اجازت کو کوئی مستقل اجازت بنانے کی حرکت کرے تو یہ مغلظہ جسارت سے آگے بڑھ کر بغاوت اور طغیان کے زمرے میں آ جائے گی۔ (مرتب)

ساتھ اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں خواتین کے مسائل کو حل کرنے کے لئے مناسب و موثر اقدامات کرنے چاہئیں۔ سرکاری دفاتر کی ملازمتوں' ذرائع ابلاغ اور دوسرے سرکاری یا نیم سرکاری اداروں میں عورتوں کو کھپانے سے ایک طرف مردوں کی حق تلفی ہو رہی ہے' دوسری طرف معاشرے میں بے راہ روی کو راہ پانے کے مواقع وسیع ہو رہے ہیں۔ پھر عورت کو اشتہارات کی زینت کے لئے جو ایک ارزاں جنس بنالیا گیا ہے اس پر قدغن لگائی جائے۔ یہ نہ صرف عورت کی عظمت کی تذلیل و توہین ہے بلکہ سراسر اسلام کے خلاف ہے۔ خدارا ان مسائل کا صحیح اسلامی حل نکالئے۔ اگر واقعی عورت کی خدمات ملک کی معیشت کے لئے ضروری ہیں تو حکومت اپنی نگرانی میں ایسے انتظامات کر سکتی ہے کہ گھروں میں چھوٹی انڈسٹریاں لگائے' کاٹیج انڈسٹری کے محلہ وار مراکز قائم کرے' صنعت و حرفت کے تمام بڑے بڑے اداروں کو پابند کرے کہ وہ خواتین کے کام کے بالکل علیحدہ شعبے قائم کریں۔ اگر عورت کو مجبوراً اپنی معاش کے لئے کام پر نکلنا ہی پڑے تو وہ ستر و حجاب کی پابندی کرے اور مخلوط اداروں میں کام سے پرہیز کرے۔ قرآن نے ایک اسلامی ریاست کی ذمہ داری یہ متعین کی ہے کہ :

﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ (الحج:۴۱)

"ان مؤمنوں کو جب ہم زمین پر تمکن و حکومت عطا کریں گے تو یہ اقامتِ صلوٰۃ' ایتائے زکوٰۃ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دیں گے۔"

لہٰذا اسلامی تعلیمات کے مطابق خواتین کی معاش کا انتظام کرنا معروف کے درجے میں آئے گا اور عورتوں اور مردوں کا مخلوط اداروں میں کام کرنا' عورت کا بطور اشتہار استعمال ہونا' اس کا ٹی وی پر آنا اور اسی قسم کے دوسرے تمام نمائشی کاموں میں حصہ لینا' یہ اور ایسے دوسرے تمام کام منکرات میں شامل ہیں جن کا استیصال حکومت کی ذمہ داری ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ حکمت اور جامع منصوبہ بندی کے

ساتھ ان کا سدِباب کرنے کے لئے حکومت جلد مؤثر عملی اقدامات کرے ـــــ
اسی طرح خواتین کے لئے علیحدہ یونیورسٹی اور ساتھ ہی خواتین کے فرائض سے
تعلق رکھنے والے مضامین کا نصاب اور علیحدہ کالجوں کا قیام بھی جلد ہونا چاہئے۔ یہ
بھی حکومت کی ذمہ داری ہے اور یہ کام معروف کے ذیل میں آئیں گے۔ نبی اکرم
ﷺ کا ارشاد ہے کہ "اگر کسی سرزمین پر اللہ کی قائم کردہ حدود میں سے ایک حد بھی
نافذ ہو جائے تو اس سے جو برکت نازل ہو گی وہ چالیس شبانہ روز کی بارش کی برکت
سے زیادہ ہو گی"۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد اُس سرزمین
یعنی عرب کے پس منظر میں تھا جہاں لوگ بارش کے لئے ترستے تھے اور بارش ان کے
لئے بہت ہی بڑی نعمت تھی۔ اس حدیث کا اصل مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی قائم کردہ
حدود میں سے ایک حد (یا احکام میں سے کوئی حکم) بھی صحیح طور پر نافذ ہو جائے تو اللہ
کی طرف سے بے انتہا برکات کا نزول و ظہور ہوتا ہے۔

ایک ضروری گزارش

یہ فتنہ جو اس زور و شور سے اس وقت اُٹھ کھڑا ہوا ہے، جیسا کہ میں نے ابتدا
میں عرض کیا تھا، بہت پرانا ہے۔ انگریزوں کے دورِ غلامی میں یہ پیدا ہوا اور جب بھی
موقع ملتا ہے، یہ سر اٹھاتا ہے۔ اس ضمن میں مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم و
مغفور نے "پردہ" نامی کتاب قیامِ پاکستان سے قبل لکھی تھی۔ یہ مولانا مرحوم کی اس
موضوع پر نہایت مدلل و مؤثر اور معرکۃ الآرا تصنیف ہے۔ [1] اسی طرح قیامِ
پاکستان کے فوراً بعد اس فتنے نے کافی زور و شور سے سر اٹھایا تھا۔ چنانچہ ۵۰ء میں
اس کا سر کچلنے کے لئے مولانا امین احسن اصلاحی نے "پاکستانی عورت دوراہے پر"
نامی کتاب لکھی تھی۔ یہ دونوں کتابیں بازار میں دستیاب ہیں۔ ان کا مطالعہ کیجئے۔

---

(۱) "پردہ" کے موضوع پر مولانا مرحوم کی یہ کتاب راقم کی رائے میں اتنی جامع اور اس معیار کی
ہے کہ اسے تو کالج کی سطح پر باقاعدہ نصابِ تعلیم میں شامل ہونا چاہئے۔ (مرتب)

ضرورت اس بات کی ہے کہ اس خیال اور فکر کو وسیع پیمانے پر پھیلایا جائے' اسے عام کیا جائے۔ ہماری تعلیم یافتہ بہنوں اور بھائیوں تک اسے پہنچایا جائے۔ ہماری ایک بہت بڑی تقصیر یہ بھی ہے کہ لوگوں تک دین کی صحیح تعلیمات مدلل طریق پر پہنچانے کی کماحقہ' کوشش سے ہم غفلت برتتے ہیں۔ اس خوابِ غفلت سے ہمیں جاگنا چاہئے اور دین کی صحیح و حقیقی تبلیغ کے لئے کمربستہ ہو جانا چاہئے۔

اب میں اس دعا پر اپنی گفتگو ختم کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی راہِ ہدایت دکھائے اور اس ہدایت کو دِل سے اور عملاً قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے تمام بھائی بہنوں کو اس کی توفیق دے کہ وہ دین کو اپنے پیچھے لگانے کے بجائے دین کی پیروی کا عزم مصمم کرلیں۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ ' وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ' اَللّٰھُمَّ وَقِنَا شَرَّ مَا قَضَیْتَ ' فَاِنَّکَ تَقْضِیْ وَلاَ یُقْضٰی عَلَیْکَ' اَقُوْلُ قَوْلِیْ ھٰذَا وَاسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لِیْ وَلَکُمْ وَلِسَآئِرِ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ' وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○

اسلام اور عورت

تحریر: شیخ جمیل الرحمن مرحوم

"اسلام میں عورت کا مقام" کے عنوان سے محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے دو خطابات کو یکجا کر کے کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ وقت کی کمی کی وجہ سے ان خطابات میں جن نکات کا اجمالاً یا کنایتاً ذکر ہو سکا یا جن کا تذکرہ رہ گیا، فاضل مضمون نگار نے اس مضمون میں ان کو اختصار کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ واضح رہے کہ یہ مضمون ۱۹۸۲ء کا تحریر کردہ ہے۔

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

ایک ایسی ریاست میں جس کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" ہے، جس کے قیام کا مقصد ہی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ تھا، جس کے دستور کی قرارداد مقاصد میں حاکمیتِ الٰہیہ ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ کا اصول طے شدہ ہے اور جس میں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ اس ملک میں "کوئی قانون سازی قرآن و سنّت کے خلاف نہیں کی جاسکے گی" مزید جس ملک کے سربراہ اور حاکمِ وقت تقریباً پانچ سال سے اپنی تقاریر، بیانات اور انٹرویوز میں مسلسل اس بات کا اعلان فرماتے رہتے ہیں کہ انہوں نے اقتدار ہی اس عزم بالجزم کے ساتھ اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے کہ وہ اس ملک میں اسلامی نظام قائم کریں گے اور چادر اور چاردیواری کے احترام و تقدس کو بحال کریں گے، یہ بات انتہائی افسوس ناک اور دردناک ہے کہ ستر و حجاب اور عورت کے اصل مقام یعنی قرار فی البیوت کے اوامر و احکام اور عورت کے تبرج جاہلیہ یعنی بے حجابانہ طور پر سج دھج، بناؤ سنگار اور غیر ساتر لباس کے ساتھ مخلوط اداروں میں کام کرنے اور بلاضرورت سیر گشت کرنے کے لئے شریعت میں ممانعت اور جو نواہی آئے ہیں ان کی

کھلم کھلا خلاف ورزی کی جا رہی ہے اور اس پر ستم بالائے ستم یہ کہ اس کو عین اسلام قرار دیا جا رہا ہے۔ ایک معصیت اور برائی وہ ہوتی ہے جس پر ایک مسلمان کا ضمیر اُسے ملامت کرتا رہتا ہے۔ وہ شعوری طور پر جانتا ہے کہ وہ غلط کام کر رہا ہے۔ لیکن ایک برائی اور معصیت وہ ہوتی ہے جس کو وہ گناہ خیال ہی نہیں کرتا' بلکہ مسلمان کہلاتے ہوئے بھی وہ اسے صحیح سمجھتا ہے اور اس پر اصرار کرتا ہے' تو اس کو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ اپنے دین سے بغاوت کر رہا ہے' اس لئے کہ اسلامی معاشرت' سماج اور عائلی نظام کے متعلق قرآن حکیم میں سب سے زیادہ تفصیلی احکام آئے ہیں۔ اس کی حکمت بھی ادنیٰ تامل سمجھ میں آ جاتی ہے کہ ایک معاشرے اور ریاست کی بنیادی اکائی خاندان ہوتا ہے۔ ان ہی کے مجموعے سے اجتماعیت' معاشرہ اور ریاست وجود میں آتی ہے۔ لہٰذا اسلامی شریعت خاندان کے ادارے کو مستحکم بنیادوں پر صالح بنانا چاہتی ہے تاکہ ایک حقیقی اسلامی معاشرہ اور نظامِ مملکت صحیح خطوط پر قائم ہو سکے اور ترقی و ارتقاء کی منازل طے کرتا چلا جائے۔ چادر اور چار دیواری کے احترام و تقدس کی بحالی کا جو واضح مقصد سمجھ میں آتا تھا وہ یہی تھا کہ پاکستان میں اسلامی معاشرت کے تقاضے پورے کئے جائیں گے' لیکن معاملہ بالکل برعکس نظر آ رہا ہے۔

جو لوگ اسلام کے نظامِ معاشرت کو موجودہ دور کے "تقاضوں" کے مطابق نہیں سمجھتے اور اس کو تبدیل کرنے پر مُصِر ہیں' اپنی حقیقت اور روح دونوں اعتبارات سے یہ رویّہ اسلام کے خلاف اظہارِ عدمِ اعتماد ہے۔ ہم بڑی دردمندی' دل سوزی اور نصح و خیر خواہی کے ساتھ اس طبقے سے التجا کرتے ہیں کہ خدارا اپنی آخرت کی ابدی زندگی کو دنیا کی عارضی چمک دمک اور نمود و نمائش کے لئے برباد نہ کریں۔ ایسے لوگوں کے لئے قرآن حکیم میں بڑی وعیدیں آئی ہیں' جن میں سے دو کا حوالہ کافی ہو گا۔ پہلی آیت سورۃ البقرہ کی ہے' فرمایا:

﴿بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ

هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ○ ﴾ (آیت ۸۱)

"کیوں نہیں' جو ایک بدی کمائے گا اور اپنی اسی خطا کاری کے چکر میں پڑا رہے گا تو وہ دوزخی ہے اور وہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔"

یعنی ایک مدعیٔ ایمان کسی برائی کا ارتکاب کرے' پھر اس پر ڈیرہ ڈال کر بیٹھ جائے' اس کو برائی سمجھنا ہی چھوڑ دے اور اسے عین صواب سمجھنے لگے' اسی پر مُصِر ہو تو وہ ہیشہ ہمیش کے لئے جہنم میں رہے گا۔

دوسری سورۃ الصف کی آیات ۲'۳ ہیں۔ فرمایا:

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ○ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ○ ﴾

"اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے نزدیک یہ نہایت ناپسندیدہ اور انتہائی بیزاری کی حرکت ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں ہو!"

یعنی ایک طرف یہ دعویٰ کہ ہم مؤمن ہیں' ہمارا دستورِ حیات قرآن ہے' ہمارے لئے مشعل اور دلیلِ راہ سنّت ہے' ہم اسلامی نظام کو ایک مکمل و اکمل نظام سمجھتے ہیں' اسی کا نفاذ و استحکام ہمارا نصب العین ہے' لیکن ہمارا انفرادی و اجتماعی طرزِ عمل' دستورِ زندگی' بشمول نظام ہائے حکومت و سیاست' معیشت و معاشرت تمام کی تمام قرآن و سنّت کے خلاف ہے' تو قول و عمل کا یہ تضاد اللہ کے غصے کو اتنا بھڑکاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے سخت بیزار ہو جاتا ہے۔

اسلام میں عورت کے لئے ستر و حجاب اور اس کے اصل دائرہ کار کے متعلق جو احکام آئے ہیں ان پر ہر مکتبِ فکر کے ائمہ مجتہدین کا اجماع رہا ہے۔ صرف ایک مسئلہ میں اختلاف ہے کہ چہرے کی ٹکیہ بھی گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں ستر میں شامل ہے یا نہیں۔ جو اس کو ستر میں شامل نہیں کرتے وہ بھی سر کو ستر میں شامل کرتے ہیں اور چہرے کی زیبائش یا لپ اسٹک یا میک اپ کی صورت میں اس کے اظہار کو ناجائز

قرار دیتے ہیں۔ ایسے متفق علیہ مسئلے کے خلاف ہمارے ملک کے اخبارات و جرائد میں مسلسل مضامین، مراسلات اور بیانات کا آنا نہایت افسوسناک اور قابلِ مذمت ہے، خصوصاً اس حکومت کے دور میں جو اس ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے عملی اقدامات کئے جانے کی دعوے دار ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ۔ ان تمہیدی کلمات کے بعد مرد و عورت کے متعلق اسلامی تعلیمات پیش ہیں۔

دینی اور اخلاقی حیثیت سے مرد و عورت مساوی ہیں

اس ضمن میں مزید تفہیم کے لئے حسب ذیل تین آیات پیش ہیں:

(۱) ﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ۝ ﴾

(النساء : ۱۲۴)

"اور جو نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن، تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرہ برابر حق تلفی نہ ہونے پائے گی۔"

(۲) ﴿ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ ﴾ (المؤمن : ۴۰)

"جو برائی کرے گا اس کو اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنی اس نے برائی کی ہوگی اور جو نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مومن ہو، تو ایسے سب لوگ جنت میں داخل ہوں گے، جہاں ان کو بے حساب رزق دیا جائے گا۔"

(۳) سورۃ الزلزال میں وہ اصول بیان فرمادیا جو پوری نوعِ انسانی کے لئے ہے جس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔ فرمایا:

﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ

شَرًّا يَّرَهٗ ○ ﴾ (آیات ۷'۸)

"پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ (آخرت میں) اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو (آخرت میں) دیکھ لے گا۔"

اب چند وہ امور پیش ہیں جن میں مرد و عورت کے علیحدہ علیحدہ دائرہ کار دین نے مقرر کئے ہیں۔

عورت اور جنازے میں شرکت

مسلمانوں کے لئے جنازے میں شرکت کرنا شریعت نے فرضِ کفایہ قرار دیا ہے۔ اس کے متعلق احادیث میں جو تاکید آئی ہے وہ سب مردوں کے لئے ہے۔ عورتوں کو اس میں شرکت سے منع کیا گیا ہے' اگرچہ اس میں سختی نہیں کی گئی ہے لیکن اس بات کو واضح کر دیا گیا ہے کہ عورت کی شرکت میں کراہت ہے۔ بخاری میں اُمِ عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے :

نُهِينَا عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَلَمْ يُعْزَمْ عَلَيْنَا

"ہم کو جنازوں کی متابعت سے منع کیا گیا' مگر سختی کے ساتھ نہیں۔"

فقہ حنفی کا مستقل موقف یہ ہے کہ نماز جنازہ میں شرکت مردوں کے لئے فرضِ کفایہ ہے لیکن عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کی شرکت مکروہ تحریمہ ہے۔

زیارتِ قبور اور عورت

قبور کی زیارت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ عورت رقیق القلب اور جذباتی ہوتی ہے۔ اس لئے اپنے قریبی عزیزوں کی قبروں پر اس کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ جانے کا شدید احتمال ہے۔ لہٰذا ان کو کثرت سے زیارت قبور کے لئے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ :

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر بکثرت جانے والیوں کو ملعون ٹھہرایا۔"

مجلسِ نکاح اور عورت

عقدِ نکاح ہی سے ایک مرد کے لئے عورت سے تمتع جائز ہوتا ہے۔ اسی سے ایک نئے خاندان کی داغ بیل پڑتی ہے۔ لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ مجلس نکاح میں دلہن خود نہیں آتی۔ کنواری عورت سے ولی یا اس کا وکیل اجازت لیتا ہے۔ اس کے لئے دو گواہ ہونے ضروری ہیں۔ وکیل اور گواہوں کا محرم ہونا بھی مستحسن ہے۔ عورت نہ وکیل بن سکتی ہے نہ گواہ' خواہ وہ ماں اور بہن ہی کیوں نہ ہوں۔

باکرہ لڑکی سے اجازت ضروری ہے

نکاح کے معاملے میں مرد بالکل آزاد ہے۔ وہ اپنے بزرگوں کی اجازت کا پابند نہیں۔ وہ صرف مشرک عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتا: ﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ ﴾ لیکن باکرہ عورت کے نکاح کے لئے اس کے ولی کی اجازت ضروری ہے' البتہ بیوہ پر ایسی پابندی نہیں ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

((الأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا))

"بیوہ اپنے معاملے میں فیصلہ کرنے کا حق اپنے ولی سے زیادہ رکھتی ہے۔"

تاہم احناف کے نزدیک باکرہ عورت اپنی مرضی سے اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ ولی کو بھی چاہئے کہ وہ باکرہ عورت کا نکاح بھی اس کی مرضی کے بغیر نہ کرے۔ جیسا کہ فرمایا گیا:

((لَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَأْذَنَ))

"باکرہ لڑکی کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس سے اجازت نہ لے لی جائے۔"

عورت کا نکاحِ ثانی اور دیگر مذاہب

ہندو مت میں طلاق کا تصور ہی موجود نہیں تو عورت کے لئے نکاحِ ثانی کا کیا سوال! بیوہ ہونے کی صورت میں ان کے اصل دھرم کا حکم تو یہ ہے کہ اس کو ستی کر دیا جائے' یعنی شوہر کے ساتھ اسے بھی زندہ جلا دیا جائے ـــــ رہا دنیا کے ایک اور

بڑے مذہب عیسائیت کا معاملہ تو مرد عورت کو صرف بد چلنی کا واضح ثبوت ملنے کی صورت میں طلاق دے سکتا ہے۔ ان کے مذہب میں اس مطلقہ عورت سے کسی کو شادی کی اجازت نہیں ہے۔ بیوہ اگرچہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے لیکن اس کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ لیکن اسلام نے ان تمام عورتوں کو نکاح ثانی کا غیر مشروط حق دیا ہے جن کے نکاح از روئے شریعت فسخ کیے گئے ہوں' یا جن کو حکم تفریق کے ذریعے جدا کیا گیا ہو' یا ان کے شوہروں نے طلاق دے دی ہو یا جو بیوہ ہو گئی ہوں۔ ایسی تمام عورتوں کے نکاح ثانی میں رکاوٹ بننے کا حق نہ سابق شوہر کو حاصل ہے نہ اس کے کسی رشتہ دار کو ــــــ یہ وہ حق ہے جو اسلام نے آج سے چودہ سو سال قبل عورتوں کو دیا تھا۔ ترقی و تمدن کے بلند بانگ دعاوی کے باوجود یہ حق آج تک یورپ کے متعدد ملکوں اور امریکہ کی ریاستوں میں بھی عورتوں کو نہیں ملا ہے۔

عورتوں کے گھر سے نکلنے کے سلسلے میں اسلامی تعلیمات

مرد اپنے اختیار سے جہاں چاہے جا سکتا ہے' لیکن عورت خواہ کنواری ہو یا شادی شدہ ہو' یا بیوہ و مطلقہ ہو' سفر میں محرم کے بغیر نہیں نکل سکتی۔ سفر کی مدت میں البتہ اختلاف ہے۔ ایک روایت میں تین دن اور اکثر روایات میں ایک دن رات کی مدت مقرر ہے۔ ان ہدایات کا اصل منشا یہ ہے کہ عورت کو تنہا سفر کے لئے نقل و حرکت کی آزادی نہ دی جائے ــــــ حد یہ ہے کہ حج کے لئے جو ایک فرض عبادت ہے' عورت محرم کے بغیر نہیں جا سکتی چاہے وہ مالی حیثیت سے ذاتی طور پر استطاعت رکھتی ہو۔ اس کے ساتھ محرم ہونا ضروری ہے۔ اگر محرم خود صاحب استطاعت نہ ہو تو عورت اس کا زادِ راہ برداشت کرے۔ محرم کے بغیر استطاعت کے باوجود یہ فرض عبادت عورت سے ساقط ہو جائے گی۔

شوہر کی اجازت کے بغیر عام ضروریات و حوائج کے علاوہ عورت کو گھر سے نکلنے کی آنحضور ﷺ نے نہایت سخت انداز سے ممانعت فرمائی ہے۔ چنانچہ حدیث میں

ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا :

((إِذَا خَرَجَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ بَيْتِهَا وَزَوْجُهَا كَارِهٌ لَعَنَهَا كُلُّ مَلَكٍ فِي السَّمَاءِ وَكُلُّ شَيْءٍ مَرَّتْ عَلَيْهِ غَيْرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ حَتَّى تَرْجِعَ))

"جب عورت اپنے شوہر کی مرضی کے خلاف گھر سے نکلتی ہے تو آسمان کا ہر فرشتہ اس پر لعنت بھیجتا ہے اور جن و انس کے سوا ہر وہ چیز جس پر سے وہ گزرتی ہے' اس پر پھٹکار بھیجتی ہے' تاوقتیکہ وہ واپس لوٹ آئے۔"

سنن ابی داؤد میں ایک طویل روایت ہے جس میں بیان ہے کہ آنحضور ﷺ نے دیکھا کہ مسجد سے نکلتے وقت مرد اور عورتیں مل جاتے ہیں تو آپؐ نے عورتوں کو ہدایت فرمائی :

((اِسْتَأْخِرْنَ فَإِنَّهُ لَيْسَ لَكُنَّ أَنْ تَحْقُقْنَ الطَّرِيقَ' عَلَيْكُنَّ بِحَافَاتِ الطَّرِيقِ)) فَكَانَتِ الْمَرْأَةُ تَلْصَقُ بِالْجِدَارِ حَتَّى أَنَّ ثَوْبَهَا يَتَعَلَّقُ بِالْجِدَارِ مِنْ لُصُوقِهَا

"تم پیچھے ہو جاؤ' تمہارے لئے راستہ کے بیچ میں چلنا ٹھیک نہیں ہے۔ تم راستے کے کنارے چلو"۔ چنانچہ اس حکم کے بعد عورتیں بالکل دیوار سے لگ جاتیں' یہاں تک کہ ان کی چادریں دیوار سے الجھتی تھیں۔"

ایک روایت میں آتا ہے کہ نماز کے بعد آنحضرت ﷺ مسجد میں اتنی دیر ٹھہرتے کہ عورتیں پہلے نکل جائیں تاکہ راستے میں مردوں سے خلط ملط نہ ہوں۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بعد میں مسجد نبوی کا ایک دروازہ عورتوں کے لئے مختص فرمادیا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی مرد دو عورتوں کے درمیان سے چلے۔

عورت ایسا زیور پہن کر باہر نہیں نکل سکتی جس میں جھنکار ہو۔ اس کی ممانعت کا حکم قرآن مجید میں موجود ہے (جس کا حوالہ ڈاکٹر صاحب اپنی تقریر میں دے چکے

ہیں)۔ عطر لگا کر گھر سے نکلنے کی آنحضور ﷺ نے سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ جامع ترمذی میں روایت ہے :

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : ((اَلْمَرْاَۃُ اِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَھِیَ کَذَا (ای زانیۃ))

آپؐ نے فرمایا: "جو عورت عطر لگا کر لوگوں کے درمیان سے گزرتی ہے وہ آوارہ قسم کی عورت ہے۔"

باہر جانے کی صورت میں عورت کو ایسی خوشبو لگانے کی اجازت ہے جس کا چاہے رنگ ہو مگر وہ پھیلنے والی خوشبو نہ ہو۔ وَطِیْبُ النِّسَاءِ لَوْنٌ وَلَا رِیْحَ لَہٗ ــــــ ایک روایت میں ہے کہ ایک عورت پھیلنے والی خوشبو لگا کر مسجد نبوی سے آرہی تھی' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کو ہدایت کی کہ گھر جا کر اس طرح غسل کرے جیسے غسل جنابت کیا جاتا ہے۔

نکاح اور اہلِ کتاب

مَرد جس طرح کسی مسلمان عورت سے نکاح کرنے میں آزاد ہے اسی طرح وہ اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کی عورتوں سے بھی نکاح کرنے میں آزاد ہے۔ وہ لونڈی سے بھی تمتع کر سکتا ہے۔ لیکن عورت کو اس معاملے میں قطعی پابند کیا گیا ہے۔ اس کے لئے اہل کتاب مَرد سے نکاح حرام ہے۔ اسی طرح مَرد اپنی لونڈی سے تمتع میں آزاد ہے لیکن عورت کے لئے یہ حرام ہے۔ خلافتِ فاروقی میں ایک عورت نے ﴿ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ﴾ سے غلط تاویل کر کے اپنے غلام سے تمتع کر لیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اصحابِ شوریٰ سے مشورہ کیا جن کا متفقہ فیصلہ تھا کہ "اس عورت نے کتاب اللہ کو غلط معنی پہنائے۔" چنانچہ اس عورت کو سزا دی گئی۔

تعددِ ازواج

سورۃ النساء میں مَرد کو عدل و قسط کی شرط کے ساتھ بیک وقت چار بیویاں اپنے

نکاح میں رکھنے کی اجازت ہے لیکن عورت کے لئے یہ قطعی حرام ہے۔

عورت کا لباس

لباس ایک تمدنی ضرورت ہے۔ اس کی ایک غایت موسمی اثرات سے حفاظت ہے اور زینت بھی۔ اور اس کی اصل غایت اور سب سے اہم مقصد ستر ہے۔ عورت کے لئے ایسا لباس پہننا جس سے ستر و حجاب کے حدود ٹوٹتے ہوں' جائز نہیں۔ "کَاسِیَةٌ" اور "کَاسِیَاتٌ عَارِیَاتٌ" جیسی احادیث کا حوالہ ڈاکٹر صاحب کے خطاب میں آ چکا ہے۔ سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ "اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور وہ نہایت باریک کپڑے پہنے ہوئے تھیں۔ آپ نے ان کو دیکھا تو منہ پھیر لیا اور فرمایا: "اے اسماء! جب عورت بالغ ہو جائے تو بجز اس کے اور اس کے' اس کے جسم کا کوئی حصّہ نظر نہیں آنا چاہئے"۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ ارشاد فرما کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرہ اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ کیا ــــ خیال رہے کہ یہ ستر و حجاب کے احکام کے نزول سے قبل کا واقعہ ہے۔

عورت اور سیاست

کسی ریاست کا سب سے اہم اجتماعی شعبہ نظامِ مملکت ہے۔ اس دائرہ کار میں عورت کا کوئی حق نہیں رکھا گیا۔ یہ شعبہ بالکلیہ مرد کے سپرد ہے۔ اس مسئلے میں قرآن مجید کی واضح نصوص ﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ﴾' ﴿ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ ﴾ اور ﴿ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾ ہیں۔ اس ضمن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح ہدایات و تعلیمات یہ ہیں کہ:

(۱) عَنْ اَبِیْ بَكْرَةَ قَالَ لَمَّا بَلَغَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ اَهْلَ فَارِسَ مَلَّكُوْا عَلَیْهِمْ بِنْتَ كِسْرٰى قَالَ: ((لَنْ یُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَهُمْ اِمْرَاَةً)) (بخاری' ترمذی' نسائی)

"ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ اہل ایران نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا بادشاہ بنایا ہے تو آپ نے فرمایا: "وہ قوم کامیاب نہیں ہو سکتی جس نے اپنی زمامِ کار ایک عورت کے حوالے کر دی ہے۔"

(۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((إِذَا كَانَتْ أُمَرَآءُ كُمْ خِيَارَكُمْ وَاَغْنِيَآءُ كُمْ سُمَحَاءَ كُمْ وَأُمُوْرُكُمْ شُوْرٰى بَيْنَكُمْ فَظَهْرُ الْاَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ بَطْنِهَا' وَإِذَا كَانَتْ أُمَرَاءُ كُمْ شِرَارَكُمْ وَاَغْنِيَاءُ كُمْ بُخَلَاءَ كُمْ وَاُمُوْرُكُمْ اِلٰى نِسَاءِ كُمْ فَبَطْنُ الْاَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا)) (ترمذی)

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب تمہارے حاکم اچھے لوگ ہوں اور تمہارے مال دار تم میں زیادہ سخی ہوں اور تمہارے معاملات مشورے سے طے پائیں تو زمین کی پیٹھ اس کے پیٹ سے تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے' اور جب تمہارے حاکم شریر لوگ ہو جائیں اور تمہارے مال دار بخیل ہو جائیں اور تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کے سپرد ہو جائیں تو زمین کا پیٹ اس کی پیٹھ سے تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔"

صدرِ اوّل کی تاریخ میں عملی سیاست میں حصّہ لینے کی صرف ایک مثال ملتی ہے۔ وہ یہ کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خونِ ناحق کا مطالبہ لے کر اٹھیں' جس کے نتیجے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فوجوں میں جنگ ہوئی جس کا نام جنگِ جمل ہے۔ اس بات سے قطع نظر کہ کس فریق سے اجتہادی غلطی ہوئی' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے جو ایک غیر جانب دار شخصیت تھے اور جن کے علم و تقویٰ پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا' یہ تھی کہ:

اِنَّ بَيْتَ عَائِشَةَ خَيْرٌ لَّهَا مِنْ هَوْدَجِهَا

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر ان کے ہودج سے بہتر تھا۔"

حضرت علی ؓ نے بھی ام المومنین ؓ کو پیغام بھجوایا تھا کہ "عورتوں کو جنگ اور غزوں کے معاملات میں پڑنے سے کیا تعلق ہے"۔ حضرت عائشہ ؓ بعد میں اپنے اس عمل پر اظہارِ پشیمانی کرتی رہیں اور اس پر استغفار کرتی رہیں۔ اس مثال میں قابلِ غور امور یہ ہیں:

اوّل یہ کہ یہ ایک ہنگامی نوعیت کا معاملہ تھا۔ اس کو باقاعدہ ملک کی سیاسیات اور حکومت کے معاملات میں حصہ لینے کے لئے دلیل بنایا ہی نہیں جاسکتا۔ دوسرے یہ کہ اپنے اس اقدام پر امّ المومنین ؓ تمام عمر پشیمان بھی رہیں اور استغفار کرتی رہیں۔ تیسرے یہ کہ حضرت علی ؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر ؓ جیسے جلیل القدر اصحابِ رسول ﷺ نے اس عمل کو عورت ہونے کے ناطے سے ان کے دائرۂ عمل سے باہر کا اقدام قرار دیا۔

غزوات میں عورتوں کی شرکت

اس موضوع پر مولانا امین احسن اصلاحی کی معرکتہ الآرا تالیف "پاکستانی عورت دوراہے پر" سے ایک اقتباس درج ذیل ہے جو مولانا نے "الاستیعاب" کے حوالے سے نقل فرمایا:

"اس حقیقت کی ایک بہت بڑی شہادت آنحضرت ﷺ کے زمانے کے ایک واقعہ سے بھی ملتی ہے۔ اسماء بنت زید انصاریہ ؓ ایک مشہور دین دار اور عقل مند صحابیہ اور مشہور صحابی معاذ ؓ بن جبل کی پھوپھی زاد بہن ہیں۔ ان کے متعلق روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ مجھے عورتوں کی ایک جماعت نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے۔ سب کی سب وہی کہتی ہیں جو میں عرض کرنے آئی ہوں اور وہی رائے رکھتی ہیں جو میں گزارش کر رہی ہوں۔ عرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ چنانچہ ہم آپ پر ایمان لائیں اور ہم نے آپ کی پیروی کی۔ لیکن ہم عورتوں کا حال یہ ہے کہ

ہم پردوں کے اندر رہنے والی اور گھروں کے اندر بیٹھنے والی ہیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ مرد ہم سے اپنی خواہش نفس پوری کرلیں اور ہم ان کے بچے لادے لادے پھریں۔ مرد جمعہ و جماعت' جنازہ و جہاد ہر چیز کی حاضری میں ہم سے سبقت لے گئے۔ وہ جب جہاد میں جاتے ہیں تو ہم ان کے گھربار کی حفاظت کرتی اور ان کے بچوں کو سنبھالتی ہیں' تو کیا اجر میں بھی ان کے ساتھ ہم کو حصہ ملے گا؟ آنحضرت ﷺ ان کی یہ فصیح و بلیغ تقریر سننے کے بعد صحابہؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "کیا تم نے ان سے زیادہ بھی کسی عورت کی عمدہ تقریر سنی ہے جس نے اپنے دین کی بابت سوال کیا ہو؟" تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے قسم کھا کر اقرار کیا کہ "نہیں یا رسول اللہ"۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ اسماء رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "اے اسماء! میری مدد کرو اور جن عورتوں نے تم کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے ان کو میرا یہ جواب پہنچا دو کہ تمہارا اچھی طرح خانہ داری کرنا' اپنے شوہروں کو خوش رکھنا اور ان کے ساتھ سازگاری کرنا مردوں کے ان سارے کاموں کے برابر ہے جو تم نے بیان کئے ہیں" ـــــ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی یہ بات سن کر خوش خوش اللہ کا شکر ادا کرتی ہوئی واپس چلی گئیں"۔

اس کے بعد مولانا اصلاحی رقم طراز ہیں:

"حضرت اسماءؓ نے صرف اپنے زمانے ہی کی خواتین کی نمائندگی نہیں فرمائی بلکہ بعض پہلوؤں سے ہمارے زمانے کی خواتین کی بھی پوری پوری نمائندگی کر دی ہے۔ اِس زمانہ میں آزادیِ نسواں کی علم بردار عورتیں جو کچھ کہتی ہیں اس کی ایک بڑی اہم وجہ تو یہی ہے کہ وہ فرائض ان کو حقیر نظر آتے ہیں جو قدرت نے ان کے سر ڈالے ہیں اور وہ فرائض ان کو معزز و محترم نظر آتے ہیں جو مردوں سے متعلق ہیں۔ اس وجہ سے وہ کہتی ہیں کہ یہ کیا ناانصافی ہے کہ ہم عورتیں تو زندگی بھر بچے لادے لادے پھریں اور چولہے چکی کی نذر ہو کے رہ جائیں اور مرد ملکوں اور قوموں کی قسمتوں کے فیصلے

کرتے پھریں! اور پھر وہ مطالبہ کرتی ہیں کہ ان کو بھی مردوں کے دوش بدوش ہر میدان میں جدوجہد کرنے کا موقع ملنا چاہئے۔ حالانکہ وہ غور کریں تو اس بات کے سمجھنے میں ذرا بھی دشواری نہیں ہے کہ ایک مرد مجاہد جو میدانِ جنگ میں جہاد کر رہا ہے اس کا یہ جہاد ہو نہیں سکتا جب تک اس کے پیچھے ایک مجاہدہ بچوں کے سنبھالنے اور گھر کی دیکھ بھال میں اپنی پوری قوتیں صرف نہ کرے! میدانِ جنگ کا یہ جہاد گھر کے جہاد کا ایک پرتو اور مرد کی یہ یکسوئی عورت کی قربانیوں کا ایک ثمر ہے۔ اس لئے مرد خدا اگر خدا کی راہ میں لڑ رہا ہے تو تنہا مردوں نہیں لڑ رہا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ خدا کی وہ بندی بھی مصروفِ پیکار ہے جس نے مرد کو زندگی کے دوسرے محاذوں پر لڑنے سے سبکدوش کر کے اس میدانِ جنگ کے لئے فارغ کیا ہے اور گھر کے مورچہ کو اس نے خود سنبھال رکھا ہے۔ جذبات سے الگ ہو کر صحیح صحیح موازنہ کر کے اگر دیکھا جائے تو کون کہہ سکتا ہے کہ ان دونوں جہادوں میں سے کوئی بھی کم ضروری ہے یا غیر ضروری ہے؟ انصاف یہ ہے کہ دونوں یکساں ضروری ہیں اس لئے خدا کی نگاہوں میں دونوں کا اجر و ثواب بھی یکساں ہے۔

جو خواتین و حضرات غزوات میں صحابیات کی شرکت کی بعض استثنائی نظیروں سے عورتوں کو مردوں کے ساتھ زندگی کے ہر شعبے میں کام کرنے کے لئے استدلال کرتے ہیں وہ اگر نیک نیتی سے کسی مغالطے میں مبتلا ہیں تو صرف یہی حدیث ان کا مغالطہ دور کرنے کے لئے کافی ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○○

عورت : اقبال کے کلام میں

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب "نقوشِ اقبال" سے ماخوذ

علامہ اقبال مرحوم کے ان منتخب اشعار کے بحیثیت مجموعی مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ علامہ کے نزدیک شرعی پردے کا اہتمام مسلمان خاتون کے لئے ازحد ضروری ہے اور اسی پردے کے باعث عورت یکسو ہو کر اپنی صلاحیتوں کو اپنے گھر اور خاندان کی تعمیر میں لگا کر بہتر کارگزاری کر سکتی ہے۔ تاہم ضرورت کے تحت پردے کے اہتمام کے ساتھ ساتھ وہ زندگی کی تمام سرگرمیوں میں حصہ لے سکتی ہے۔ اس ضمن میں فاطمہ (طرابلس کی مجاہدہ) علامہ کے نزدیک ایک مثالی کردار ہے۔ نیز ان اشعار کے مطالعہ سے یہ بات مبرہن ہو کر سامنے آتی ہے کہ علامہ کے نزدیک عورت کی مقدس ترین حیثیت وہ ہے جو ماں اور ممتا کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ اسی لئے علامہ معاشرتی اور عائلی زندگی میں ماں کے مقام کو مرکزی مقام قرار دیتے ہیں۔

جدید اردو شاعری میں غالباً حالی اور اقبال ہی دو ایسے شاعر ہیں جن کے یہاں غزلوں میں صنفی آلودگی' عریانیت اور سطحیت نہیں ملتی' بلکہ اس کے برخلاف عورت کے مقام و احترام اور اس کی حیثیتِ عرفی کو بحال کرنے میں ان دونوں کا بڑا ہاتھ نظر آتا ہے۔

اقبال عورتوں کے لئے وہی طرزِ حیات پسند کرتے تھے جو صدرِ اسلام میں پایا جاتا تھا' جس میں عورتیں مروجہ برقع کے نہ ہوتے ہوئے بھی شرم و حیاء اور احساسِ عفت و عصمت میں آج سے کہیں زیادہ آگے تھیں' اور شرعی پردے کے اہتمام کے

ساتھ ساتھ زندگی کی تمام سرگرمیوں میں حصہ لیتی تھیں۔

۱۹۱۲ء میں طرابلس کی جنگ میں جب ان کو اس کا ایک نمونہ دیکھنے کو ملا، یعنی ایک عرب لڑکی فاطمہ بنت عبداللہ غازیوں کو پانی پلاتے ہوئے شہید ہوئی تو انہوں نے اس کا زوردار ماتم کیا:

فاطمہ! تو آبروئے امتِ مرحوم ہے ذرہ ذرہ تیری مُشتِ خاک کا معصوم ہے
یہ سعادت حورِ صحرائی تری قسمت میں تھی غازیانِ دیں کی سقّائی تری قسمت میں تھی
یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر ہے جسارت آفریں شوقِ شہادت کس قدر
یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی!
اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں
فاطمہ! گو شبنم افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے نغمۂ عشرت بھی اپنے نالۂ ماتم میں ہے!
رقص تیری خاک کا کتنا نشاط انگیز ہے ذرہ ذرہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے
ہے کوئی ہنگامہ تیری تربتِ خاموش میں پل رہی ہے ایک قومِ تازہ اس آغوش میں

انہیں ہنرورانِ ہند اور ایسے تمام فن کاروں سے شکایت تھی جو عورت کے نام کا غلط استعمال کرکے ادب کی پاکیزگی، بلندی اور مقصدیت کو صدمہ پہنچاتے ہیں۔ وہ اپنی ایک نظم میں کہتے ہیں:

چشمِ آدم سے چھپاتے ہیں مقامات بلند کرتے ہیں روح کو خوابیدہ بدن کو بیدار
ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس آہ بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

وہ "دخترانِ ملت" سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسلمان خاتون کے لئے دلبری اور بناؤ سنگار ایک معنی میں کفر ہے، بلکہ انہیں تو اپنی شخصیت، انقلابی فطرت اور پاکیزہ نگاہی سے باطل کی امیدوں پر پانی پھیر دینا چاہیے۔

بہل اے دخترک این دلبری ہا مسلمان را نہ زیبد کافری ہا
مَنِہ دل بر جمالِ غازہ پرور بیاموز از نگہ غارت گری ہا

وہ کہتے ہیں کہ مسلمان عورت کو پردہ کے اہتمام کے ساتھ بھی معاشرہ اور

زندگی میں اس طرح رہنا چاہئے کہ اس کے نیک اثرات معاشرہ پر مرتب ہوں اور اس کے پرتو سے حریمِ کائنات اس طرح روشن رہے جس طرح ذاتِ باری کی تجلی حجاب کے باوجود کائنات پر پڑ رہی ہے۔ ؎

ضمیرِ عصرِ حاضر بے نقاب ست　　کشادش در نمودِ رنگ و آب ست
جہاں تابی ز نورِ حق بیاموز　　کہ او با صد تجلی در حجاب ست

وہ دنیا کی سرگرمیوں کی اصل ماؤں کی ذات کو قرار دیتے ہیں' اور کہتے ہیں کہ ان کی ذات امین ممکنات اور انقلاب انگیز مضمرات کی حامل ہے۔ اور جو قومیں ماؤں کی قدر نہیں کرتیں ان کا نظامِ زندگی سنبھل نہیں سکتا۔ ؎

جہاں را محکمی از اُمّہات ست　　نہادِ شاں امینِ ممکنات ست
اگر ایں نکتہ را قومے نداند　　نظامِ کاروبارش بے ثبات ست

وہ اپنی صلاحیتوں اور کارناموں کو اپنی والدۂ محترمہ کا فیضِ نظر بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آداب و اخلاق تعلیم گاہوں سے نہیں' ماؤں کی گود سے حاصل ہوتے ہیں۔ ؎

مرا داد ایں خرد پرور جنونے　　نگاہِ مادرِ پاک اندرونے
ز مکتب چشم و دل نتواں گرفتن　　کہ مکتب نیست جز سحر و فسونے

وہ قوموں کی تاریخ اور ان کے ماضی و حال کو ان کی ماؤں کا فیض قرار دیتے ہیں' اور کہتے ہیں کہ ماؤں کی پیشانیوں پر جو لکھا ہوتا ہے وہی قوم کی تقدیر ہوتی ہے۔ ؎

خنک آں ملتے کز وارداتش　　قیامت ہا بہ بیند کائناتش
چہ پیش آید چہ پیش افتاد او را　　تواں دید از جبینِ اُمّہاتش

وہ ملت کی خواتین کو دعوت دیتے ہیں کہ ملت کی تقدیر سازی کا کام کریں' اور ملت کی شامِ الم کو صبحِ بہار سے بدل دیں' اور وہ اس طرح کہ گھروں میں قرآن کا فیض عام کریں جیسے حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ نے اپنی قرآن خوانی سے ان کی تقدیر بدل

دی اور اپنے لحن و لہجہ کے سوز و ساز سے ان کے دل کو گداز کر دیا تھا۔

ز شامِ ما بروں آور سحر را ✦ بہ قرآں باز خواں اہلِ نظر را
تو می دانی کہ سوزِ قراتِ تو ✦ دگرگوں کرد تقدیرِ عمرؓ را

اقبال معاشرتی اور عائلی زندگی میں ماں کے مرکزی مقام کے قائل ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ خاندانی نظام میں جذبۂ امومت اصل کا حکم رکھتا ہے اور اسی کے فیض سے نسلِ انسانیت کا باغ لہلہاتا رہتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جس طرح گھر سے باہر کی زندگی میں مردوں کو فوقیت حاصل ہے، اسی طرح گھر کے اندر کی سرگرمیوں میں عورت اور خصوصاً ماں کی اہمیت ہے، اس لئے کہ اس کے ذمہ نئی نسل کی داشت و پرداخت اور دیکھ بھال ہوتی ہے۔ انسان کا پہلا مدرسہ ماں کی گود ہوتی ہے۔ ماں جتنی مہذب، شائستہ اور بلند خیال ہوگی، بچے پر بھی اتنی ہی جلدی یہ اثرات مرتب ہوں گے اور ایک اچھی اور قابلِ فخر نسل تربیت پا سکے گی۔

وہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آدابِ فرزندی!

اقبال کی نظر میں عورت کا شرف و امتیاز اس کے ماں ہونے کی وجہ سے ہے۔ جو قومیں امومت (حقِ مادری) کے آداب نہیں بجالاتیں تو ان کا نظام ناپائیدار اور بے اساس ہوتا ہے، اور خاندانی امن و سکون درہم برہم ہو جاتا ہے، افرادِ خاندان کا باہمی اتحاد و اعتماد ختم ہو جاتا ہے، چھوٹے بڑے کی تمیز اٹھ جاتی ہے اور بالآخر اقدارِ عالیہ اور اَخلاقی خوبیاں دم توڑ دیتی ہیں۔ ان کے خیال میں مغرب کا اَخلاقی بحران اسی لئے رونما ہوا ہے کہ وہاں ماں کا احترام اور صنفی پاکیزگی ختم ہو گئی ہے۔

وہ آزادیٔ نسواں کی تحریک کے اسی لئے حامی نہیں کہ اس کا نتیجہ دوسرے انداز میں عورتوں کی غلامی ہے۔ اس سے ان کی مشکلات آسان نہیں اور پیچیدہ ہو جائیں گی، اور انسانیت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ جذبۂ امومت ختم ہو جائے گا، ماں کی ممتا کی روایت کمزور پڑ جائے گی۔ اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ جس علم سے

عورت اپنی خصوصیات کھو دیتی ہے' وہ علم نہیں بلکہ موت ہے' اور فرنگی تہذیب قوموں کو اسی موت کی دعوت دے رہی ہے۔

تہذیبِ فرنگی ہے اگر مرگِ امومت ۔ ہے حضرتِ انساں کے لئے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن ۔ کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن ۔ ہے عشق و محبت کے لئے علم و ہنر موت

علم او بارِ امومت بر نتافت ۔ بر سرِ شاخش یکے اختر نتافت
ایں گل از بستانِ ما نا رستہ بہ ۔ داغش از دامانِ ملت شستہ بہ

اقبال کے خیال میں آزادیٔ نسواں ہو یا آزادیٔ رجال یہ دونوں کوئی معنیٰ نہیں رکھتے بلکہ مرد و زن کا ربط باہمی' ایثار اور تعاون ایک دوسرے کے لئے ضروری ہے۔ زندگی کا بوجھ ان دونوں کو مل کر اٹھانا اور زندگی کو آگے بڑھانا ہے۔ ایک دوسرے سے عدم تعاون کے سبب زندگی کا کام ادھورا اور اس کی رونق پھیکی ہو جائے گی اور بالآخر یہ نوعِ انسانی کا نقصان ہو گا۔

مرد و زن وابستۂ یک دیگر اند ۔ کائناتِ شوق را صورت گر اند
زن نگہ دارندۂ نارِ حیات ۔ فطرتِ او لوحِ اسرارِ حیات
آتشِ ما را بجانِ خود زند ۔ جوہرِ او خاک را آدم کند
در ضمیرش ممکناتِ زندگی ۔ از تب و تابش ثباتِ زندگی
ارجِ ما از ارجمندی ہائے او ۔ با ہمہ از نقشبندی ہائے او

اقبال فرماتے ہیں کہ عورت اگر علم و ادب کی کوئی بڑی خدمت انجام نہ دے سکے تب بھی صرف اس کی مامتا ہی قابل قدر ہے جس کے طفیل مشاہیر عالم پروان چڑھتے ہیں اور دنیا کا کوئی انسان نہیں جو اس کا ممنون احسان نہیں۔

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ ۔ اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشتِ خاک اس کی ۔ کہ ہر شرف ہے اسی درج کا دُرِ مکنوں

مکالمات فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں!

آزادیٔ نسواں کی تحریک سے مرد و زن کا رشتہ جس طرح کٹا اور اس کے جو برے نتائج سامنے آئے، اقبال کی نظر میں اس کی ذمہ دار مغربی تہذیب ہے۔ "مردِ فرنگ" کے عنوان سے کہتے ہیں :

ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا مگر یہ مسئلۂ زن رہا وہیں کا وہیں
قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مہ و پرویں
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں

کوئی پوچھے حکیمِ یورپ سے ہند و یوناں ہیں جس کے حلقہ بگوش
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال؟ مرد بے کار و زن تہی آغوش!

اقبال پردے کی حمایت میں کہتے ہیں کہ پردہ عورت کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں، وہ پردے میں رہ کر تمام جائز سرگرمیوں میں حصہ لے سکتی ہے اور اپنے فرائض کی انجام دہی کر سکتی ہے، کیونکہ خالقِ کائنات پس پردہ ہی کارگاہِ عالم کو چلا رہا ہے۔ اس کی ذات گو حجابِ قدس میں ہے، لیکن اس کی صفات کی پرچھائیاں بحر و بر پر پھیلی ہوئی ہیں۔ مولانا آسی نے خوب کہا ہے :

بے حجابی یہ کہ ہر شے سے ہے جلوہ آشکار
اس پہ پردہ یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے!

اقبال عورت کو خطاب کرتے ہیں کہ :

جہاں تابی ز نورِ حق بیاموز
کہ او با صد تجلی در حجاب است

وہ پردہ کے مخالفوں کے جواب میں کہتے ہیں کہ پردہ جسم کا حجاب ہے، لیکن اسے عورت کی بلند صفات اور پنہاں امکانات کے لئے رکاوٹ کیسے کہا جا سکتا ہے۔ اصل سوال یہ نہیں ہے کہ چہرے پر پردہ ہو یا نہ ہو، بلکہ یہ ہے کہ شخصیت اور حقیقتِ ذات

پر پردے نہ پڑے ہوں، اور انسان کی خودی بیدار اور آشکار ہو چکی ہو۔ ؎

بہت رنگ بدلے سپہرِ بریں نے ، خدایا یہ دنیا جہاں تھی وہیں ہے
تفاوت نہ دیکھا زن و شو میں مَیں نے ، وہ خلوت نشیں ہے، یہ جلوت نشیں ہے
ابھی تک ہے پردے میں اولادِ آدم ، کسی کی خودی آشکارا نہیں ہے

پردے کی حمایت و تائید میں اقبال نے "خلوت" کے عنوان سے ایک نظم کہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پردہ کی وجہ سے عورت کو یکسو ہو کر اپنی صلاحیتوں کو نسلوں کی تربیت پر صرف کرنے اور اپنی ذات کے امکانات کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے، اس کے ساتھ ہی اسے سماجی خرابیوں سے الگ رہ کر اپنے گھر اور خاندان کی تعمیر کا سامان میسر آتا ہے۔ گھر کے پُرسکون ماحول کے اندر اسے زندگی کے مسائل اور معاشرتی موضوعات کو سوچنے سمجھنے کی آسانیاں ملتی ہیں اور اس طرح وہ اپنے اور دوسروں کے لئے بہتر کارگزاری کر سکتی ہے۔ ؎

رسوا کیا اس دَور کو جلوت کی ہوس نے ، روشن ہے نگہ، آئینۂ دل ہے مکدّر
بڑھ جاتا ہے جب ذوقِ نظر اپنی حدوں سے ، ہو جاتے ہیں افکار پراگندہ و ابتر
آغوشِ صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے ، وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر!

خلوت میں خودی ہوتی ہے خود گیر و لیکن
خلوت نہیں اب دیر و حرم میں بھی میسّر

ایک بڑا معاشرتی سوال یہ رہا ہے کہ مَرد و زن کے تعلق میں بالادستی (Upper Hand) کسے حاصل ہو؟ اس لئے کہ دنیا کا کوئی بھی تعلق ہو اس میں کوئی ایک فریق شریکِ غالب کی حیثیت ضرور رکھتا ہے اور یہ اس کائناتی حقیقت پر مبنی ہے کہ ہر شے اور ہر انسان ایک دوسرے کا محتاج ہے اور ہر ایک، ایک دوسرے کی تکمیل کرتا ہے، خصوصاً مَرد و زن کے تعلقات میں چند چیزوں میں مَرد کو عورت پر فضیلت اور اولیت حاصل ہے اور یہ بھی کسی نسلی اور صنفی تفریق کی بنا پر نہیں بلکہ خود عورت کے حیاتیاتی، عضویاتی فرق اور فطرت کے لحاظ کے ساتھ اس کے حقوق و

مصالح کی رعایت کے پیش نظر ہے ـــــ نگرانی اور "قوامیت" ایسی چیز نہیں جو مرد اور عورت دونوں کے سپرد کر دی جاتی یا عورت کو دے دی جاتی۔ اقبال نے مغرب کی نام نہاد "آزادیٔ نسواں" کی پروا کئے بغیر عورت کے بارے میں اسلامی تعلیمات کی پُر زور وکالت کی اور عورت کی حفاظت کے عنوان سے کہا ؎

اک زندہ حقیقت مرے سینے میں ہے مستور — کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پردہ، نہ تعلیم، نئی ہو کہ پرانی — نسوانیتِ زن کا نگہباں ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا — اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

یہ نظم درحقیقت حدیث شریف ((لَنْ یُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا عَلَیْهِمُ امْرَأَةً)) کی ترجمانی ہے۔ انہوں نے اپنی دوسری نظم میں فرمایا ؎

جوہرِ مرد عیاں ہوتا ہے بے منتِ غیر — غیر کے ہاتھ میں ہے جوہرِ عورت کی نمود
راز ہے اس کے تپِ غم کا یہی نکتۂ شوق — آتشیں لذتِ تخلیق سے ہے اس کا وجود
کھلتے جاتے ہیں اسی آگ سے اسرارِ حیات — گرم اسی آگ سے ہے معرکۂ بود و نبود
میں بھی مظلومیٔ نسواں سے ہوں غمناک بہت — نہیں ممکن مگر اس عقدۂ مشکل کی کشود

اقبال اپنے کلام میں آنحضور ﷺ کے وہ بلند ارشادات بھی لائے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ :

((حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمُ الطِّیْبُ وَالنِّسَاءُ وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ))

"مجھے دنیا کی چیزوں میں خوشبو اور عورتیں پسند کرائی گئی ہیں، اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔"

اقبال نے اس حدیث کا بھی حوالہ دیا ہے کہ "جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے"۔ انہوں نے امومت کو رحمت کہا ہے، اور اسے نبوت سے تشبیہ دی ہے۔ ماں کی شفقت کو وہ پیغمبر کی شفقت کے قریب کہتے ہیں، اس لئے کہ اس سے بھی اقوام کی سیرت سازی ہوتی ہے اور ایک ملت وجود میں آتی ہے ؎

آں یکے شمع شبستانِ حرم　　حافظِ جمعیتِ خیر الامم
سیرتِ فرزند ہا از امہات　　جوہرِ صدق و صفا از امہات
آنکہ نازد بر وجودش کائنات　　ذکرِ او فرمود با طیب و صلوٰۃ
گفت آں مقصودِ حرفِ کن فکاں　　زیرِ پائے امہات آمد جناں
نیک اگر بینی امومت رحمت است　　زانکہ او را با نبوت نسبت است
شفقتِ او شفقتِ پیغمبر است　　سیرتِ اقوام را صورت گر است
از امومت پختہ تر تعمیرِ ما　　در خطِ سیمائے او تقدیرِ ما
آب بندِ نخلِ جمعیت توئی　　حافظِ سرمایۂ ملت توئی
ہوشیار از دستبُردِ روزگار　　گیر فرزندانِ خود را در کنار

اخیر میں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اقبال حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو ملتِ اسلامیہ کی ماؤں کے لئے مثالی خاتون سمجھتے ہیں اور جگہ جگہ ان کی اتباع کی تاکید کرتے ہیں کہ وہ کس طرح چکی پیستے ہوئے بھی قرآن پڑھتی رہتی تھیں اور گھریلو کاموں میں مشکیزہ تک اٹھانے پر صبر فرماتی تھیں۔ اقبال کے خیال میں سیرت کی اسی پختگی سے حضراتِ حسنین علیہما السلام ان کی آغوش سے نکلے۔ ؎

مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؓ　　مادراں را اسوۂ کامل بتولؓ
آں ادب پروردۂ صبر و رضا　　آسیا گرداں و لب قرآں سرا
فطرتِ تو جذبہ ہا دارد بلند　　چشمِ ہوش از اسوۂ زہراؓ بلند
تا حسینےؓ شاخِ تو بار آورد　　موسمِ پیشیں بہ گلزار آورد!

وہ مسلمان خاتون کو وصیت کرتے ہیں کہ ؎

اگر پندے ز درویشے پذیری　　ہزار اُمت بمیرد تو نمیری
بتولےؓ باش و پنہاں شو ازیں عصر　　کہ در آغوش شبیرےؓ بگیری!

پاکستانی خواتین کے ایک مقبول اور کثیرالاشاعت ماہنامہ

میں شائع شدہ

ڈاکٹر اسرار احمد

کا انٹرویو

اوائل ۸۳ء میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن پاکستان کے اجلاس منعقدہ خالقدینا ہال کراچی میں خطاب کی دعوت دی گئی تھی۔ اجلاس کے اختتام پر ایسوسی ایشن کے صدر جناب ڈاکٹر تحسین اختر' ڈاکٹر صاحب کو اپنے کلینک واقع نارتھ ناظم آباد لے گئے۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال تھا کہ وہاں ایسوسی ایشن کے منتظمین ہوں گے' ان سے گفتگو ہو گی۔ لیکن اس کے برعکس وہاں ماہنامہ "آنچل" کراچی کی مدیرہ اور ایک اور خاتون منتظر تھیں اور اچانک یہ راز کھلا کہ یہاں انٹرویو کا اہتمام ہے۔ اجلاس کے موقع پر ڈاکٹر صاحب کو مدیرہ "آنچل" کی جانب سے انٹرویو کی فرمائش پر مشتمل رقعہ ملا تو تھا لیکن انہیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس کے لئے اس طور سے فوری "سازش" ہو جائے گی۔ بہرحال وہاں کچھ گفتگو ہوئی ـــــ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کے ذہن سے یہ واقعہ بالکل محو ہو گیا تھا' یہاں تک کہ اچانک ستمبر ۸۳ء میں ڈاکٹر صاحب کراچی گئے تو ایک صاحب نے نہایت تحسین آمیز انداز میں اس انٹرویو کا ذکر کیا۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے فوراً تو بالکل انکار کر دیا کہ میں نے خواتین کے کسی جریدے کو انٹرویو نہیں دیا۔ پھر اچانک انہیں وہ واقعہ یاد آ گیا تو خیال ہوا کہ پرچہ حاصل کر کے دیکھا جائے کہ کیا کچھ چھاپ دیا گیا ہے ـــــ بلکہ اس پر حیرت بھی ہوئی کہ "آنچل والوں نے یہ کیا کیا کہ انٹرویو جولائی کی اشاعت میں چھپ گیا لیکن ہمیں خبر تک نہیں دی ـــــ بعد میں معلوم ہوا کہ انہوں نے تو پانچ پرچے بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ ارسال کر دیئے تھے لیکن غالباً محکمہ ڈاک کے کارکنوں کو کچھ ضرورت سے زیادہ ہی پسند آ گئے ـــــ بہرحال انہوں نے دوبارہ پرچہ عنایت کیا تو یہ انٹرویو سامنے آیا جسے قارئین "میثاق" کی دلچسپی کے لئے شائع کیا جا رہا ہے۔ (جمیل الرحمٰن)

دل موہ لینے والا مسحور کن انداز بیان' مقدس آب چہرہ' دانش مندانہ پُروقار پیشانی' بردباری اور آہستہ آہستہ آدمی سے سچائی منوانے کی صلاحیت ـــــ یہ ہیں وہ اوصاف جو ٹی وی پروگرام "الہدیٰ" کو دیکھتے ہوئے میرے ساتھ لاکھوں لوگوں نے محسوس کئے ہوں گے۔

پاکستان بہترین عالم دین حضرات کا گہوارہ ہے اور ہم بے حساب علماء کرام کے ذریعے آفاق علم حاصل کرتے ہیں لیکن انداز بیان کی انفرادیت اور آواز کی گھن گرج کے ساتھ جس چیز نے مجھے سب سے

زیادہ متاثر کیا' وہ ہے تقویٰ ـــــ جس کی مثال فی زمانہ مشکل ہی سے ملے گی ـــــ میں نے سوچا' اس شخص کے تقوے کی مثال کیسے دوں جو آج کے ترقی پسند دور میں اوصاف پیغمبری کے اتباع پر مُصر ہے۔ جبکہ لوگوں کا خیال ہے کہ اس جدید سائنسی دور میں چودہ سو سال پیچھے سفر کرنا ممکن نہیں ـــــ اتباع رسول مشکل ہے۔ لوگ انہیں جو چاہیں کہہ لیں' جو چاہیں سمجھ لیں۔ میں اپنے طور پر یہ سمجھنے میں برحق ہوں کہ تقویٰ اختیار کرنا ہی وہ عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا ضامن ہے۔ متقی اللہ کی نظروں میں محبوب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہی لوگوں کو پسند کرتا ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے راہِ نجات پر گامزن ہوئے۔

ایک کوالیفائیڈ ایلوپیتھک ڈاکٹر کا اس قدر تقویٰ کا پابند ہونا میرے لئے واقعی نہ صرف حیرت کا باعث تھا بلکہ مسرت کا بھی ـــــ کہ فطرتِ ایزدی کا کامل اتباع کس قدر مشکل امر ہے۔

وقت بدلا ہوا ہے۔ اقدار بدل چکی ہیں۔ رسم و رواج تبدیل ہو گئے ہیں۔ بڑے بڑے جید علماء اور راہبرانِ دین اسلامی شعائر کو اختیار کرتے ہوئے وقت کی رفتار کو بہرحال ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے چلن کو حسبِ حال ڈھال لیتے ہیں۔ تاہم ڈاکٹر اسرار احمد اسلام کے موقف کو اسی حال میں جاری رکھنے پر مُصر ہیں جس طرح قرآن حکیم کے ذریعے آنحضور ﷺ نے نافذ کیا۔ وہ دین میں کسی بھی پیوند کاری کے روادار نہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ دینِ اسلام اتنا مکمل اور فطری دین ہے کہ تاقیامت اس میں تبدیلی کی ضرورت نہیں۔ تمام انسانی ضرورتیں وہ خود پوری کرتا ہے' پھر کس تبدیلی کی گنجائش ہے۔ اس دین کو اختیار کرنے میں کیا قباحت ہے؟

محترم ڈاکٹر اسرار احمد عورتوں کو تو کیا' مردوں کو بھی انٹرویو نہیں دیتے۔ عجیب مایوس کن اور حوصلہ شکن صورتحال تھی اور میں نے اس صورتحال کو اپنی آرزو میں ڈھالنے کا تہیہ کر لیا تھا۔

مدیرۂ آنچل سے گفتگو کے ایک طویل مرحلے سے گزرنے کے بعد میں نے واقعی اس چیلنج کو قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

ایک تقریب میں بطورِ خاص شرکت کرنے کے لئے میں خالق دینا ہال میں صبح ۹ بجے سے موجود تھی۔ میں اپنی کوتاہی سے کوئی لمحہ ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی۔ معلوم ہوا کہ بعد نمازِ مغرب محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب قبلہ کی تشریف آوری متوقع ہے۔

بہت سوچ بچار کے بعد میں نے ایک خط ان کے نام تحریر کیا جس کا متن حسبِ ذیل ہے اور قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم ڈاکٹر صاحب قبلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں خواتین کے رسالے ماہنامہ "آنچل" کی طرف سے آپ کا انٹرویو لینا چاہتی ہوں۔ رسالہ اگرچہ تفریحی ادب کا سرچشمہ ہے' تاہم دینی مسائل پر اعلیٰ مستند مضامین کی اشاعت بھی

میں کسی قسم کے تساہل اور کوتاہی سے کام نہیں لیتا۔ مجھے امید ہے کہ آپ مجھے انٹرویو دینے سے انکار نہیں کریں گے۔ کیونکہ لازمی امر ہے کہ اسلام کے اسکالروں کے انٹرویو' شانِ جہاد کے ساتھ' دین کو بہتر طریقے پر قارئین کے آگے پیش کرتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ لوگ' آپ جیسے لوگوں سے واقف ہو سکیں۔ دین کی رہنمائی کے لئے مرد اور عورت کی کوئی تخصیص نہیں۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے پاس' خواتین دین کے سلسلے میں راہبری کی جستجو میں حاضرِ خدمت ہوا کرتی تھیں تو دھتکاری نہ جاتی تھیں۔ قوم کی لاکھوں بیٹیاں آپ کے علم کی برکتوں سے مستفیض ہونا چاہتی ہیں ــــ کیا آپ انہیں مایوس کر دیں گے؟

کمترین
فاطمہ زہرا جبین
نمائندہ ماہنامہ "آنچل" کراچی

ڈاکٹر اسرار احمد نے میرا خط اسٹیج پر ہی کھول لیا۔ ان کے لبوں پر ایک پُرنور سی مسکراہٹ رینگ گئی ــــ اور میں اُمید و بیم کے درمیان ہچکولے کھاتی کشتی کی مانند' ان کی طرف دیکھتی رہی۔ پروگرام کے اختتام کے بعد جب انہوں نے میری طرف توجہ فرمائی تو میں نے مرعوب ہوتے ہوئے اپنا دعایان کیا۔

"انٹرویو سے مجھے انکار نہیں لیکن صبح آٹھ بجے مجھے واپس بھی جانا ہے۔" انہوں نے پُراخلاق انداز میں معذرت چاہی۔

میں نے ایس اے خان اور ڈاکٹر سید مبین اختر کی طرف دیکھا۔ ڈاکٹر مبین اختر نے بروقت میری اخلاقی مدد کرتے ہوئے کہا:

"ہم وی آئی پی ہاؤس چلتے ہیں۔ آپ وہیں انٹرویو کر لیں۔"

ڈاکٹر صاحب کی مقدس شخصیت کی جو دھاک دل پر بیٹھ چکی تھی اس نے اب اعتماد کی شکل اختیار کر لی تھی۔

رات گہرائی میں اتر رہی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کچھ سفر' کچھ عمر اور کچھ مشقتِ خطابت کے باعث تھکے تھکے سے نظر آ رہے تھے۔ تاہم ان کی روشن آنکھوں کی طرف دیکھ کر انسان مسحور ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

میں انٹرویو حاصل ہونے کی مسرت اور طمانیت سے کچھ نفسیاتی طور پر متاثر و مرعوب ہو کر سوال کرنے لگی۔

"آپ موجودہ دور میں نفاذِ اسلام کے منصوبے اور اس پر عمل درآمد سے مطمئن ہیں؟"

"قطعاً نہیں!" وہ اعتراف کے معاملے میں بے باک اور مکمل طور پر راست گو تھے۔

"کیوں ــــ کوئی وجہ بتانا چاہیں؟"

"نفاذِ اسلام کی رفتار اس قدر سست ہے اور خطوط اس قدر موہوم ہیں کہ اگر واقعی اس کی برکات

معاشرے پر اثرپذیر ہو چکی ہیں تو ان کا واضح اور مکمل ظہور نہیں پایا جاتا۔ اسی وجہ سے لوگوں میں مایوسی اور کم حوصلگی پائی جاتی ہے۔ موجودہ حکومت نفاذِ اسلام کے معاملے میں انتہائی سست روی سے کام کر رہی ہے۔ دوسرے یہ کہ دین کے نفاذ کے سلسلے میں بھی انہوں نے اپنی ترجیحات رکھی ہیں اور یہ ترجیحات دین سے ہرگز ہرگز مطابقت نہیں رکھتیں۔ مثلاً یہ کہ بعض جرائم کی جو سزا دے دیتے ہیں' ان میں احکامِ دین اور قرآن کے مطابق ستر اور حجاب کے جو احکام ہیں' ان پر قطعی عمل نہیں ہوتا۔ بتدریج ہی سہی' نافذ تو کریں۔ دین کے احکامات پر مکمل طور پر عمل درآمد خواہ وہ تدریجی طریقِ کار ہو یا انقلابی عمل کے ذریعے' دینِ مبین کی آفاقی حیثیت کے نفوذ کا واحد ذریعہ ہے ـــــ اور اب جب کہ عمل درآمد ہی نہیں ہو رہا ہے بلکہ وقت کا بڑا حصہ صرف دستاویزی تیاریوں وغیرہ میں صرف ہو رہا ہے تو امر لازم ہے کہ اس رفتار سے سفر کی منزلوں کا تعین انتہائی مایوس کن ہو گا۔"

"کیا آپ کے خیال میں دین کو مکمل طور پر یک لخت نافذ کرنا چاہئے؟"

"جی ہاں ایک لخت اور آناً فاناً ـــــ کیونکہ اسلام کو نافذ کرنے کے لئے "جزو" کے فلسفے سے "کُل" کا فلسفہ زیادہ موثر اور مستحکم ہے۔ اور انقلاب ہی وہ لفظ ہے جو اس کے عمل کو بیان کر سکتا ہے۔ یعنی انقلابی خصوصیت کے حامل لوگ' انقلابی جماعت بنائیں ـــــ اور انقلاب کی راہ ہموار کر کے غیر اسلامی شعائر کو یک لخت منسوخ کریں۔ یہ وہ لوگ ہوں جو بنیادی طور پر تربیت شدہ ہوں' جنہوں نے اسلام کی خاطر قربانیاں دے کر اپنے آپ کو ثابت کیا ہو۔ جب تک محنتِ شاقہ سے ایسے لوگ فراہم نہ ہوں گے جو دین کی آفاقی حیثیت پر ناقابلِ شکست اعتماد رکھتے ہوں اور اس کے نفاذ میں کسی مزاحمت کی پرواہ نہ کرتے ہوں' ایک انقلابی جماعت کا وجود میں آنا ممکن نظر نہیں۔"

"نفاذِ اسلام کے لئے کیا اسلام کو زمانے اور وقت کے ارتقائی مدارج کا تابع رکھنا بہتر ہے یا زمانے کو اسلام کے اتباع سے مشروط رکھنا ہو گا؟"

"اصل میں تو ہمیں زمانے کو دین کے تابع کرنا ہے۔ دین کو وقت کے پیمانے میں اتارنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ دین ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو انسان کی تمام تر مادی اور روحانی افادیت کی کماحقہٗ معنویت کے ساتھ نافذ کیا گیا ہے۔ ارتقاء دراصل کائنات کے علم کے حصول اور حصول کے ذریعے زندگی کے معیار اور حصولِ آگہی کے معیار کا بتدریج اضافہ ہے۔ اس اضافے کے لئے لباس' طرزِ معاشرت' طرزِ بود و باش' عقیدے یا یقین میں تبدیلیوں کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ البتہ ایک عنصر "اجتہاد" کا ہے۔ وہ چونکہ دین کے اندر ہے' دین سے باہر نہیں للذا میں اس کو یوں نہیں کہوں گا کہ ہم نے زمانے کے مطابق دین کو کیا ہے بلکہ دین تو اپنی جگہ پر صدیوں سے قائم ہے۔ ہمیں اس کو نافذ کرنا ہے' حاکم بنانا ہے۔"

"ڈاکٹر صاحب! بسا اوقات لوگ آپ کو انتہاپسند قرار دیتے ہیں۔ کیا آپ واقعی انتہاپسند ہیں؟"

"دراصل' مجھے یہ اندازہ ہی نہ تھا کہ لوگ مجھے انتہاپسند سمجھتے ہیں۔ مجھے تو یہ بھی علم نہیں کہ وہ کس انداز میں مجھے انتہاپسند قرار دیتے ہیں۔ میں نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ میں خود کو Fundamentalist

کہلائے جانے پر اعتراض نہ کروں گا کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اسلام کے جو Fundamentals ہیں ان پر میں کبھی سمجھوتہ نہیں کر سکتا۔ میں دین کو مکمل سمجھتا ہوں اس میں ترمیم کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ مجھے یقین ہے کہ دین کو وقت کے لحاظ سے تبدیل کئے بغیر بھی انسان ارتقاء کے اعلیٰ ترین مدارج طے کر سکتا ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ لوگ مجھے انتہاپسند سمجھتے ہوں کیونکہ میں دین پر تصرف کرنے میں ایسا کوئی سودا کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتا۔ اب مجھے انتہاپسند کن معنوں میں کہا جاتا ہے اس کا مجھے کوئی جواز ہی نظر نہیں آتا۔"

"اگر آدمی اپنی ذات کی حد تک مضبوط کردار کا حامل ہو تو انتہاپسند ہو جاتا ہے۔ تاہم کیا مذہب کے سلسلے میں تمام معاشرے کو انتہاپسند بنایا جا سکتا ہے یعنی کسی بھی چیز کا نفاذ جس پر طبیعت مکمل طور پر تربیت یافتہ نہ ہو؟"

"دراصل اسلام کا نفاذ میری زندگی کا واحد مقصد ہے۔ اس کے لئے جدوجہد اہم ترین عنصر ہے۔ جدوجہد کے ذریعے ہی لوگوں کو قائل کر کے آمادہ کرنا ہو گا اس کے بعد ان کے تعاون سے ایک جماعت تشکیل کرنی ہو گی۔ جب لوگ قائل ہو جائیں گے تو کوئی آمر انہیں اپنے اندر زبردست انقلاب پیدا کرنے سے نہیں روک سکے گا لیکن یوں ایسے تو نہیں ہو سکتا کہ آج میرے ہاتھ میں اختیار دے دیا جائے تو میں اسلام کو نافذ کر دوں۔ واقعتاً جب تک ہم انقلابی عمل سے نہ گزریں گے اسلام کی تنفیذ اور اسلام کا غلبہ ممکنات میں سے نہیں۔"

"تو کیا یہی وجہ ہے کہ ہم تھوڑا اسلام کے نفاذ کے راستے تلاش کر رہے ہیں تاکہ مستقبل کے کسی دور میں تدریجی بنیادوں پر اسے نافذ کیا جا سکے؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں ـــــ" مختصر سا جواب تھا۔

کافی عرصے سے ڈاکٹر صاحب کے خواتین کے سلسلے میں موقف پر خبریں چھپ رہی تھیں۔ اگرچہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے کسی انٹرویو میں کہا تھا کہ "میں کسی تنازعے کے لئے نہیں ہوں" تاہم ان کی ذات و شخصیت متنازعہ بنی ـــــ یا پھر تنازعہ کو ایک نیا موضوع مل گیا خواہ مطلب کچھ بھی ہو۔ چونکہ مجھے ان موضوعات کے موضوع پر تشفی کے لئے معلومات درکار تھیں لہٰذا میں نے پوچھا۔

"دینی لحاظ سے خواتین کی تربیت کن خطوط پر ہونی چاہئے کہ عورت احساسِ حق تلفی اور محرومی کے بغیر اعتماد کے ساتھ معاشرے کا ایک فعال حصہ مقرر ہو جائے؟ اور پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عورت جس عقیدے کے درمیان پل کر جوان ہوتی ہے دمِ آخر تک اسی پر سختی سے قائم رہتی ہے۔ اس سلسلے میں عورت سے تبلیغ کی ابتداء کے بارے میں بحث فرمایئے۔"

"تبلیغ کے بارے میں مرد اور عورت یکساں ہیں۔ یعنی جب بھی کسی معاشرے میں کسی بھی خیال کے تحت تبلیغ کی ابتداء ہوتی ہے تو خواتین اور مردوں پر یکساں انداز میں اثر انداز ہوتی ہے۔ یکساں انداز ہی میں اسے قبول کیا جاتا ہے۔ لیکن عورت کو بہترین تربیت اور بہترین کارکردگی کی مراعات ملنا چاہئیں کیونکہ اگلی نسل اس کی گود میں پلتی ہے لیکن انقلاب کی ابتداء میں سب سے بڑا کردار مردوں کا

ہو سکے۔ تاہم موجودہ صورتوں میں کسی کی اہمیت کا تعین با آسانی نہیں کر سکتے کیونکہ دونوں اپنی اپنی جگہوں پر اہم اور مضبوط ستون کی سی کیفیت رکھتے ہیں۔ البتہ جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کی جسمانی اور نفسیاتی ساخت میں فرق کا تعین کر دیا ہے۔ اس تعین کی مقرر کردہ حد میں ذہنی' روحانی اور اخلاقی حصار کے ساتھ انہیں تعلیم و تربیت کے مکمل مواقع فراہم ہونا چاہئیں۔ غلط تعلیم کے ذریعے ایک ہوا الحاد و دشمن آتا ہے جو اپنی تباہ کاریوں کے ذریعے ہماری بہترین صلاحیتوں کو مفلوج کر کے رکھ دیتا ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارا موجودہ نظام تعلیم یکسر غیر مؤثر اور بے معنی ہے؟"

"ہاں' اکثر و بیشتر ——— میرے خیال میں لڑکیوں کے لئے ادب' فلسفہ' سائیکالوجی ایسے علوم ہیں جن سے بہترین نسلوں کو وجود میں لانا ممکن ہے۔ ایسے علوم جن سے ان کے اندر شعور پیدا ہو' جن سے تربیت اولاد کی صلاحیت میں اضافہ ہو' انسانی نفسیات کا فہم ہو' امور خانہ داری کی عملی تربیت کا مظاہرہ ہو۔ میڈیکل لائن میں خواتین کے ذریعے پردے میں خواتین کے عوارض کے علاج کی مکمل ترین سہولتوں کا اہتمام ہو تاکہ عورتوں کا علاج معالجہ عورتیں ہی کر سکیں' سوائے اس کے کہ بہت ہی پیچیدہ معاملہ ہو تو مردوں کے پاس جائے۔ ورنہ اس سلسلے میں مردوں کی حوصلہ شکنی ہونا چاہئے۔"

"درس و تدریس کے شعبے میں بھی خواتین کا حق ہو سکتا ہے؟"

"جی ہاں' بے شک ——— کیونکہ خواتین کے لئے علیحدہ شعبۂ تعلیم قائم کرنا از حد ضروری ہے تاکہ پردے کی عظمتوں کے ساتھ علم' مثالی معراج کمال سے خواتین میں منتقل ہو جائے۔"

"کیا عورت اتالیق کی حیثیت سے مرد سے بہتر کام کر سکتی ہے؟ اور پرائمری لیول تک صرف عورتوں کو استاد مقرر کیا جا سکتا ہے؟"

"جی ہاں! لڑکے ہوں یا لڑکیاں' Tender Age میں ماں کی شفقتوں کی طرف رغبت رکھتے ہیں۔ اس جذباتی کیفیت کے سبب پرائمری لیول تک' جہاں بچے بچیاں ہنوز کم سنی کے دور میں ہوں ——— خواتین اساتذہ اپنی محبتوں سے لبریز طرز عمل سے بہترین نتائج بر آمد کر سکتی ہیں۔ اس لیول کے بعد لڑکوں کے لئے مرد اور لڑکیوں کے لئے صرف خواتین اساتذہ کے شعبوں کا منتقل کر دینا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اس طرح دین کی پابندی کے ساتھ معیاری کردار بھی حاصل ہو سکتا ہے۔"

"ملازمتوں کے شعبے علیحدہ کرنے کے بعد خواتین کو زیادہ فعال کردار ادا کرنا بے انصافی تو نہیں؟"

"موجودہ دور مقابل کا دور ہے۔ نوع انسانی کا تناسب زیادہ سے زیادہ ہو رہا ہے۔ ویسے تو اصولی طور پر کفالت کی ذمہ داری مرد کی ہے لیکن اگر ناگزیر وجوہات کی بنا پر مرد اس ذمہ داری کو نبھانے سے معذور ہے اور اگر ملکی معیشت میں بھی ضرورت ہو تو ہم اپنی پیداوار میں خواتین سے مدد لیں کیونکہ اس وقت دنیا ایک معاشی مقابلے میں بری طرح جکڑا ہے' تو اس صورت میں اسلام کے دائرے میں رہتے ہوئے متبادل صورت حال فراہم کرنا ہو گی۔"

"یعنی ——— ؟" میں نے پوچھا۔

"یعنی محلہ در محلہ کاٹن انڈسٹریز سے خام مال گھروں میں پہنچایا جائے' جہاں عورتیں کام کریں اور شام کو فوری ادائیگی کے بعد مال واپس لیا جائے۔ اس قسم کا باقاعدہ نظام مربوط طریقے سے ذرا سے جہد سے قائم ہو سکتا ہے۔ ایسے انڈسٹریل یونٹ بنائے جائیں جن میں عورتیں کام کریں اور عورتیں ہی کام لیں۔ خواتین کی جسمانی ساخت اور نجی مصروفیات کے لحاظ سے Short Shift بنیاد پر انہیں ملازم رکھا جائے۔ یہ شفٹ چار گھنٹے کی ہو۔ اور یہ سب اسی صورت میں ممکن ہے جب رجائیت پسند قیادت نہیں بلکہ مذہبی قیادت برسراقتدار آئے' جس کا اپنا ایک مکمل نظریہ ہو کہ ہر حالت میں دین کی پابندی کرنا ہے' اس کے ساتھ چلنا ہے تو یہ سارے کام بحسن و خوبی انجام پا سکیں گے۔ لیکن جب ان چیزوں کو صرف ظاہری نگاہ سے پرکھا جائے گا تو یہ سب کام پہاڑ معلوم ہوں گے۔"

ڈاکٹر صاحب نے مزید کہا: "اسلام کے معاشرتی نظام میں عورت کا اصل مقام اس کا گھر اور نسلوں کی پرورش و پرداخت ہے۔ عام حالات میں ایک عورت' اول تا آخر ایک خانہ دار عزت مآب بیوی' ماں' بہن اور بیٹی ہے ــــ تاہم بوقت ضرورت اسے زندگی کی ہر جہد میں مسابقت کا حق حاصل ہے مگر حدود کے ساتھ۔"

"صحافی اور دانشور حضرات تجسس میں ہیں کہ آپ عورت کو کس طرح رکھنے پر یقین رکھتے ہیں؟ کیا کبھی آپ نے ان سے دریافت کیا کہ وہ اپنی خواتین کو کس طریقے پر رکھتے ہیں؟"

"میرا ان حضرات سے براہ راست کبھی رابطہ نہیں رہا۔ روزنامہ "جنگ" میں ارشاد احمد حقانی کام کرتے ہیں۔ وہ میرے پاس آئے تو میں یہ نہیں سمجھا کہ وہ میرے پاس انٹرویو کی غرض سے آئے ہیں۔ وہ ہمارے پرانے ہم جماعتوں میں سے ہیں۔ جب انہوں نے مجھ سے وقت مانگا تو میں سمجھا کہ پرانی ملاقات کی تجدید کے لئے یا پھر ایسی ہی کسی ملاقات کے لئے آئے ہیں۔ تاہم مجھے اعتراف ہے کہ وہ صحافی کی حیثیت سے مجھ سے انٹرویو لے گئے۔ کچھ سوالات آخر میں سرعت سے یکے بعد دیگرے ہو گئے۔ اس میں بعض باتیں خالص تیمور ٹیکل طرز کی تھیں' جیسے: آج آپ کے ہاتھ میں طاقت آ جائے تو آپ کیا کریں گے؟ تو میں نے کہا: سب کو پنشن پر بھیج دوں گا' خاص طور پر خواتین کو۔ ظاہری بات ہے کہ پنشن پر بھیج رہا ہوں' ڈس مس تو نہیں کر رہا ہوں۔ پنشن مل جائے تو اور کیا چاہئے؟ گھر بیٹھیں۔ بہر حال مجھے اس بات کا اندازہ نہیں کیونکہ میرا صحافیوں سے زیادہ تعلق نہیں کہ وہ کیا سوچتے ہیں' ان کے گھریلو حالات کیسے ہیں!"

"ایک کثیرالاشاعت روزنامہ میں عورت کے مقام کے عنوان سے کچھ مضامین شائع ہوئے ہیں۔ ایک صاحب نے لکھا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: "عورت جو کہے' اس کے خلاف کرو۔ اس میں بڑی برکت ہے۔" جب کہ ہمارے نبی کریم ﷺ اگر عورت کے بارے میں ایسی رائے رکھتے تو بی بی عائشہ صدیقہؓ سے مشاورت کا جواز باقی نہ رہتا۔ آپ کا کیا خیال ہے؟"

"میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایسی بات ہو بھی ــــ اور چونکہ یہ مضامین میرے مطالعے سے نہیں گزرے' لہٰذا میں اس سلسلے میں کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتا۔"

"آپ اور بہت سے حضرات خواتین کے لباس کے بارے میں خاصے متفکر پائے جاتے ہیں اور یہ درست بھی ہے۔ تاہم آپ نے کبھی مردوں کی چست پتلونوں کو دیکھا ہے جو ٹی شرٹ جرسی اور بنیانوں پر پہنی ہوتی ہیں۔ کیا مردانگی اور برہنگی دورِ جدید کی توام بہنیں تو نہیں؟"

ڈاکٹر صاحب نے میرے سوال کو تحمل سے سنا اور فرمایا:

"ستر پوشی ہر دو اصناف پر لازم ہے تاکہ معاشرہ پاکیزہ حیثیت کو برقرار رکھ سکے۔ آپ کی بات صحیح ہے۔ ساتر لباس مرد کا بھی ہونا چاہئے۔ مرد کے ستر کی حد ناف کے اوپر سے لے کر گھٹنوں کے نیچے تک ہے لیکن عورت کے لئے سوائے چہرے کی ٹکیہ' ہاتھ اور پاؤں کے علاوہ تمام اعضاء کا پوشیدہ رکھنا شرعاً فرض ہے۔ مرد اور عورت میں نفسیاتی اعتبار سے ایک فرق ہے۔ جسمانی لحاظ سے عورت کے لئے مرد میں کشش ہے اور مرد کے لئے عورت میں ــــ لیکن نفسیاتی فرق یہ ہے کہ مرد قوی تر ہے اور اقدام اور فعالیت میں فزوں تر' اس میں آگے بڑھنے کا حوصلہ ہے۔ عورت میں نفسیاتی طور پر گریز ہے' فطری گریز ہے اور یہی اس کی نسوانیت کا اصل زیور ہے۔ لہذا' عورت مرد کی طرف متوجہ ہونے کے باوجود فطری طور پر اقدام حصول میں اتنی شدید نہیں جتنا کہ مرد ہے۔ اس اعتبار سے عورتوں کا مردوں کو دیکھنا اتنا اشتعال انگیز نہیں ہے جتنا کہ مردوں کا عورتوں کو دیکھنا۔ ورنہ ہوتا تو یہ چاہئے تھا کہ مرد بھی پردہ کریں۔ نہ عورتیں' مردوں کو دیکھیں نہ مرد عورتوں کو ــــ لیکن یہ بات نہیں ہے۔ صرف عورت کو پردے کا پابند کیا گیا ہے' جسم کا بیشتر حصہ چھپانا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ لیکن مرد کے لئے اس قدر پابندی نہیں ــــ مثلاً مرد کا ستر ناف کے اوپر سے لے کر گھٹنے کے نیچے تک ہے۔ اگر جسم کا یہ حصہ ڈھکا ہوا ہے تو ٹھیک ہے۔ اگر اس نے قمیض نہیں پہنی ہے تو اس پر لازم بھی نہیں۔ تاہم عورت کا پورا جسم ستر ہے سوائے چہرے کے اور ہاتھ' پیر کے۔ لیکن آج کل مرد جو چست لباس پہنتے ہیں' وہ درست نہیں ہے۔ خاص طور پر نیکر' کھیلوں میں شارٹس کا استعمال' تیراکی کا لباس' شریعت کے سراسر خلاف ہے۔ مرد کو ناف سے اوپر اور گھٹنے سے نیچے تک جسم کو کپڑے سے پوشیدہ رکھنا ضروری اور شرعی ہے۔"

"مذہب' معاشرے میں کیا کردار ادا کرتا ہے؟"

"آپ کا انٹرویو ہنوز ختم نہیں ہوا؟" ڈاکٹر صاحب نے پہلو بدلا۔

"دیکھئے محترم ڈاکٹر صاحب! سوال کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قارئین آپ کے علم کے ایک ایک لفظ کو وضاحت کے ساتھ سن لیں' سمجھ لیں اور توفیق ہو تو عمل بھی کریں' اس لئے گستاخی معاف۔"

وہ شفقت سے بولے:

"معاشرے میں مذہب وہی کردار ادا کرتا ہے جو ایک فرد کی زندگی میں۔ مذہب اخلاق کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اس سے بڑی اور کیا بات ہوگی کہ معاشرہ نفس حیوان کی بربریت سے صرف اور صرف دین کی وجہ سے پاک ہوگا۔ ایک انسان دوسرے انسان کا حق' اس کے طلب کرنے سے پہلے ادا کر دے گا۔ یہ ایک بہت عظیم تربیت کی بات ہے کہ حقوق کی ادائیگی میں عجلت کا تصور' کردار کے اعلیٰ ترین تصور کی ضمانت ہوگا ــــ اور یہ ضمانت صرف دین کا احیاء ہی دے سکتا ہے۔ مذہب' معاشرے میں رہنے والوں

اور معاشرے کو جزا اور سزا کا تصور دیتا ہے' خود احتسابی کا قانون دیتا ہے جس سے انسان خود اپنے طرزِ عمل پر ناقدانہ احتساب قائم کرتا ہے۔ مذہب کے جو اثرات انفرادی طور پر فرد پر مرتب ہوتے ہیں' وہی اجتماعی طور پر معاشرے پر ہوں گے۔ ہمارا جو مذہب ہے وہ مذہب نہیں' دین ہے۔ بلکہ دین کے بارے میں میں کہوں گا کہ This is a way of life, rather a system of life. جس میں اس کا معاشی' سیاسی' سماجی ایک مکمل نظام پنہاں ہے۔ ان کے درمیان عدل و انصاف' اعتدال و توازن ہے جو انسان کی بنیادی ضرورت ہے کہ ہر انسان ہر طرح کی اونچ نیچ' ہر طرح کی افراط و تفریط سے بچ کر رہے۔ انسان کو دین کی صورت میں جو متوازی نظام ملا ہے' وہ در حقیقت اسلام کا نوعِ انسانی پر ایک بہت بڑا احسان ہے۔"

"جہاد کے بارے میں فرمایئے؟"

"جہاد کے تین حصے ہیں۔ ایک اپنے نفس حیوان کی بربریت کے خلاف جہاد یعنی اپنے نفس کو ممکنہ حد تک برائیوں سے پاک کرنے کا مرحلہ۔ جب تک انسان خود شر' برائی اور حرام خوری سے نہ بچے گا' وہ کوئی جہاد نہ کر سکے گا۔ یہ وہ Most Fundamental جہاد ہے جہاں انسان اپنی ذات سے آگاہ ہوتے ہوئے شرفِ آدمیت کے حصول کے لئے حیوانی محرکات کو قابو کرتا ہوا نفس حیوان کو مکمل طور پر زیر کرنے کے اہل ہو جاتا ہے۔

دوسرا جہاد ہے معاشرے میں توہمات یا باطل نظریات' متصادم اور متضاد مکاتب فکر میں اصلاحِ حال و احوال' تہذیب و تمدن اور ثقافت کی ترویج میں خالص کو قطع کرنا یعنی اسلامی معاشرے کو عین اسلام کے مطابق رواج دینے کے لئے ہر فرد کا انفرادی جہاد ایک اجتماعی کیفیت کے ساتھ ایک اعلیٰ ترین بے مثال قوم کی صورت میں وجود پاتا ہے۔

تیسرا جہاد وہ ہے جو ان اقوام کے ساتھ ہے جنھوں نے اس عظیم المرتبت منصوبے کو خاک میں ملا کر اپنے عقائد کی برتری اور اپنے اقتدار کے ذریعے نوعِ آدم کو اپنا تابع بنانے کی کوشش کی یعنی حق کا باطل کے ساتھ مقابلہ۔ یہ آخری سٹیج ہے جس میں جان کی بازی بھی لگتی ہے"۔

"علماء کی سطح سے صرف تقریریں ہی جہاد ہیں۔ ایسے بے عمل عالموں سے ہم کن تاریخی فتوحات کی امید رکھ سکتے ہیں؟" میں نے ایک چبھتا ہوا سوال کیا لیکن انہوں نے اپنے مخصوص ٹھہرے لہجے میں جواب دیا:

"ہمیں دوسروں نے بہت ہی امیدیں وابستہ نہیں رکھنا چاہئیں بلکہ خود بڑھ کر عمل کرنا چاہئے۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں' وہی غنیمت ہے۔ ایسے ماحول میں بہت کچھ حاصل ہونا امر محال ہے۔ تاہم ایک رمق شرر فشانی' اس خس و خاشاک میں رہ گئی ہے۔ اس میں علماء کا بہت بڑا Contribution ہے۔ انہوں نے مسجدیں آباد رکھی ہوئی ہیں' اذانیں ہیں' نمازیں ہیں' جمعے ہیں' خطبے ہیں۔ یہ سب کیا ہے؟ معاشرہ میں ان کا مثبت حصہ ہے ــــــ پھر میں ایک سوال کرتا ہوں کہ ہم سب لوگ یہ کیوں چاہتے ہیں کہ سارا کام وہی کریں۔ ہمیں خود بھی بحیثیت مسلمان کچھ نہ کچھ کرنا چاہئے۔ اپنے اعمال کی کوتاہی کا اللہ تعالیٰ

کے سامنے وہی جواب دیں گے اور اسلام میں یہ کام صرف علماء کا نہیں بلکہ ہر مسلمان کا فرض ہے۔"

"بچے کو بہترین اسلامی لٹریچر پڑھایا جائے بہترین اسلامی تربیت دی جائے اور بہترین شخصیت کے ساتھ پیش کیا جائے اور ہر گھر میں یہی جذبہ پروان چڑھے تو کوئی حیرت انگیز بات نہیں کہ موجودہ منافقت کا دور ہٹے اور اسلام جلد از جلد اپنی تمام افادیت کے ساتھ نافذ ہو جائے۔" میں نے ڈاکٹر صاحب کے سامنے اپنی رائے کا اظہار کیا تو وہ بولے :

"جی ہاں! میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ جہاد کی ابتدا تو خود انسان کے اپنے نفس سے ہوتی ہے۔"

"ڈاکٹر صاحب! بلا سود بینکاری کے سلسلے میں کیا ہم پوری طرح اسلام پر کاربند ہیں؟"

"دراصل میں اس نظام کو ہنوز اسلامی نہیں کہہ سکتا ہوں جو کہ نافذ کیا گیا ہے۔" ڈاکٹر اسرار احمد نے جواب دیا۔ "جہاں تک ہماری معلومات حاصل کرنے کی بات ہے تو اس بارے میں یہی معلوم ہوا ہے کہ حکومت "بلا سود بینکاری" کا سارا روپیہ صرف اجناس کی خریداری پر صرف کر رہی ہے۔ اس میں مارکر سسٹم بھی استعمال ہو رہا ہے۔ تاہم ایک بات میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ نظام اپنی روح کے اعتبار سے سودی ہی ہے۔"

"جی ہاں 'بلا سود بینکاری نظام ہنوز متنازعہ مسئلہ ہے لیکن شریعت اس بارے میں کیا کہتی ہے؟"

"شریعت تو سود کو حرام قرار دیتی ہے۔" ڈاکٹر صاحب کی آواز کھلا جہاد تھی 'لہجہ تلوار کی سان تھا۔ انہوں نے کہا : "کوئی شخص جو اس سسٹم آف بینکنگ پر عبور رکھتا ہو 'وہی اس کی صحیح تشریح کر سکتا ہے۔ البتہ میرے نزدیک اگر ایک آدمی 'حکومت کی اس یقین دہانی پر کہ یہ سودی نہیں 'اس میں روپیہ جمع کرائے گا اور اسے کچھ نہ معلوم ہو گا تو ان شاء اللہ وہ گنہگار نہ ہو گا۔ اس کے گناہ کا پورا وزن حکومت کے کریڈٹ کارڈ میں درج ہو گا۔"

"اگر اس کو معلوم ہو جائے تو؟" ڈاکٹر مبین اختر نے سوال کیا۔

"تو وہ گنہگار ہو گا۔" ڈاکٹر اسرار احمد نے مختصراً جواب دیا۔

"جو لوگ بینکنگ نظام میں اپنے فرائض ملازمین کی حیثیت سے انجام دیتے ہیں 'ان کے مشاہروں کے بارے میں متضاد رائے پائی جاتی ہے۔ آپ کیا کہیں گے؟"

"غیر سودی کھاتہ تو اب کھلا ہے۔" ڈاکٹر صاحب بولے "پہلے تو یہ نظام سو فی صد سود پر تھا۔ تب بھی لوگ ملازمت کر رہے تھے۔ ایسا بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ بہت سے تاجر ایسے ہیں جو اوور ڈرافٹ پر بزنس نہیں کرتے۔ کتنے کاروباری لوگ ایسے ہیں جو سود نہیں لیتے! معاشرے میں تو حرام خوری رچ بس گئی ہے۔ کسی بھی ملک میں 'جب کہ اس میں اپنا ایک ادارہ بھی ہو اور اس ادارے کا ایک Determination بھی ہو تو وہ ملکی نظام اختیار کرتا ہے۔ دنیا اس کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کر لیتی ہے۔ دنیا ہمارے ساتھ بزنس کرتی ہے تو اپنی غرض سے کرتی ہے 'صرف ہمارے فائدے کے لئے نہیں کرتی۔ کوئی ملک ہمیں مدد دیتا ہے تو اپنے مفاد کے لئے دیتا ہے ____ مگر جب ہم اپنا ایک مکمل نظام معیشت ترتیب دیں لیں گے تو دنیا صرف اپنی غرض کے لئے ہمارے ساتھ مذکورہ نظام کے تحت ہو گی تو کوئی دقت

نہ رہے گی اور پھر جب ہماری تجارت کا رابطہ سودی معیشت پر چلنے والے ممالک سے رہے گا تو لازماً سود آہستہ آہستہ ہماری رگوں میں گردش کناں ہو جائے گا۔ آخر کمیونسٹ ممالک بھی تو ہیں جہاں سودی نظام نہیں تو وہاں سے بھی تو تجارت ہوتی ہے۔ انہوں نے غیر محسوس طریقے پر اسلامی تصور اپنا لیا جبکہ ہمارا نظام اس سے عاری ہے۔"

"کچھ اپنے بارے میں بتائیے؟"

"حصار، مشرقی پنجاب جو اب ہریانہ میں ہے، وہیں میری پیدائش ۱۹۳۲ء میں ہوئی۔" عجیب تقدس اور سادگی سے انہوں نے کہا۔ "۱۹۴۷ء میں وہیں سے میٹرک کیا۔ تقسیم کے بعد ہجرت کر کے ہم مغربی پنجاب یعنی پاکستانی پنجاب میں آ گئے۔ لاہور میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۴۷ء تا ۱۹۴۹ء گورنمنٹ کالج لاہور سے ایف ایس سی کی۔ ایم بی بی ایس کے لئے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور کو منتخب کیا اور وہاں سے ۱۹۵۴ء میں فارغ التحصیل ہوا۔ ہائی اسکول لائف کے دوران میں، میں مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کا ممبر تھا۔ دین سے غیر معمولی رغبت فطرت ثانیہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ میں سرگرم کارکن تھا۔ اپنے ضلع کی آرگنائزیشن کا جنرل سیکرٹری تھا۔ کالج لائف میں میرا رابطہ فوری طور پر جماعت اسلامی کی جمعیت طلبہ سے ہوا۔ میری تعلیمی زندگی کے سات سال جمعیت طلبہ کے ساتھ تھے۔ اس کے بعد میں نے جماعت اسلامی کی رکنیت اختیار کر لی۔ تقریباً ڈھائی سال تک میں جماعت کا رکن رہا۔ ۱۹۵۶ء میں میں نے اپنا ایک مضمون لکھا جس میں مجھے جماعت کی پالیسی کے ساتھ اختلاف تھا۔ اس کی وجوہات عملی اور انتخابی سیاست میں جماعت کی غیر معمولی مصروفیات تھیں جس کی وجہ سے میرے خیال میں بنیادی کام میں رکاوٹ پیدا ہو رہی تھی۔ مولانا مودودی صاحب کا خیال یہ تھا کہ اس پالیسی میں کوئی ترمیم نہیں ہونی چاہئے۔ اس وقت جماعت میں بڑے بھاری اور سمجھ دار لوگ شامل تھے، مثلاً مولانا اصلاحی صاحب۔ انجام کار ہم لوگ جماعت سے علیحدہ ہو گئے۔ جماعت سے علیحدگی تھی، تحریک سے علیحدگی ہرگز نہ تھی۔ میری عمر اس وقت چوبیس برس تھی۔ میں جوان تھا اور انتظار میں تھا کہ بزرگ لوگ شاید تنظیم کی شکل اختیار کریں تو ان کے ساتھ ہم بھی منزلوں کا رخت سفر باندھیں۔ لیکن کچھ اسباب کی بنا پر اس میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی تو پھر ۱۹۶۶ء کی ابتداء میں جب میں تینتیس برس کا تھا اور حوصلے مضبوط اور پختہ ہو چکے تھے ـــــ میں نے تہیہ کر لیا کہ مجھے خود کام کرنا چاہئے۔ چنانچہ پھر میں دوبارہ لاہور شفٹ ہوا ـــــ کیونکہ میں ایم بی بی ایس کر کے ساہیوال آ گیا تھا، جہاں میرے والدین تھے۔ لاہور منتقل ہو کر میں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ میں نے قرآن مجید کے درس کے ذریعے بنیادی باتیں مثلاً دین اور دینی فرائض کے تصور پر کام کیا۔ تقریباً چھ برس تک تن تنہا کسی تنظیم کے بغیر لگاتار خلوص کے ساتھ کام کرتا رہا۔ میں نے اصلاحی صاحب کے ساتھ "میثاق" جاری کیا جو میرے اپنے اشاعتی ادارے "دارالاشاعت اسلامیہ" سے شائع ہوتا تھا جو بعد میں بند ہو گیا تھا۔ میری تمام کوششیں تھیں کہ "میثاق" دوبارہ جاری ہوا۔ ۱۹۷۲ء میں میں نے "انجمن خدام القرآن" قائم کی۔ میں اس کا بانی اور تاحیات صدر ہوں۔ پھر ۱۹۷۵ء میں "تنظیم اسلامی" قائم کی۔ یہی میری مختصر سی سرگزشت ہے۔"

ڈاکٹر صاحب خاموش ہوئے تو میں نے کہا:

"آپ نے تجارہ کر بڑے حوصلے سے کام کیا ہو گا؟"

"جی ہاں، مجھے تجارتی بہت حوصلے اور فلک آسا امیدوں کے ساتھ اس عظیم مقصد کی خاطر منصوبوں پر عمل درآمد کے لئے تیار ہونا پڑا۔"

"آپ نے ایم بی بی ایس کے بعد کتنے عرصے پریکٹس کی؟"

"سولہ سال ـــــ"

"تو اب آپ پریکٹس نہیں کر رہے؟"

"۱۹۷۷ء سے میں نے یہ پریکٹس بند کر دی ہے۔"

"اسلام، ڈاکٹری اور نفسیات میں کوئی مطابقت؟"

"مادی طور پر انسان کا جسمانی نظام نہایت پیچیدہ اور محکم ہے جس میں مرکزی مقام دل کا ہے ـــــ جبکہ نفسیاتی طور پر جذباتی کیفیات کا سرچشمہ دماغ ہے۔ جب یہ نفسیاتی اور جذباتی کیفیات جسم پر حاوی ہونے لگتی ہیں تو مینٹل ہیلتھ اور جسمانی صحت کو جنم دیتی ہیں۔ یعنی فرسٹریشن، اضطراری کیفیات، خواہشات کی بہتات وغیرہ اور ان ذہنی Abnormalities کے اثرات انسان کے نظام پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان نفسیاتی کیفیات کو اعتدال میں رکھنے کے لئے ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کو ہم Internal Peace کہتے ہیں۔ یہ کیفیت انسان کی تمام جسمانی اور روحانی حیثیتوں کو مربوط رکھتے ہوئے اجتماعی طور پر ایک اور ہمہ گیر وصف کو جنم دیتی ہے جو Social Peace ہے یعنی از روئے حدیث نبوی: "مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان بچے رہیں۔" کسی کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ اور یہ دونوں چیزیں در حقیقت ہمیں سب سے زیادہ اسلام سے ملتی ہیں۔"

"کیا یہ ممکن ہے کہ دوائیوں کو کم کر کے، اسلامی تعلیمات کے ذریعے مریض کا نفسیاتی طور پر علاج کیا جائے؟"

"ہاں یہ ممکن ہے یقیناً ممکن ـــــ اس میں معالج کی قوت ارادی اور روحانی سطح کا معیار ہونا بھی ازحد ضروری ہے۔" ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا۔

میں مزید سوال کرنا چاہتی تھی کہ ڈاکٹر صاحب نے شفقت سے کہا:

"بھئی پرچہ ختم ہوا تو آپ زبانی سوالات پر اتر آئیں ـــــ میرے خیال میں آپ کے سوالات کا سلسلہ ہنوز ختم نہیں ہوا۔"

"جی ہاں، میں اس برکت سے دست بردار ہونے پر آمادہ نہیں۔ بحیثیت ڈاکٹر دینی خدمات کیونکر انجام دی جا سکتی ہیں کیونکہ آپ نے تو پریکٹس چھوڑ دی جبکہ یہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں؟"

"آپ اس مسئلے کو کچھ اس طرح سمجھئے کہ حضور ﷺ تاجر تھے لیکن آپؐ نے دین کے لئے مکمل طور پر تجارت چھوڑ دی۔ ایک بڑے مقصد یعنی ملک و ملت کی راہبری کے لئے ایک چھوٹے مقصد کو اتباع رسول ﷺ میں ترک کرنا ہوتا ہے تاکہ یکسوئی کے ساتھ تمام تر توجہ سے منصوبہ پایہ تکمیل کو پہنچ

جائے۔ یعنی قومی سطح پر لیڈر رہنا ہے تو اسے اپنا کام ترک کرنا ہوگا۔ میرے مقاصد بھی کچھ ہی تھے اور مقاصد کے حصول کے لئے مجھے یکسوئی درکار تھی۔ اور میں نے بھی اپنی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک بڑے مقصد کے لئے چھوٹے مقصد کو ترک کر دیا۔ اس ضمن میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ تاجر تھے اور تبلیغ بھی کرتے تھے۔ دین کی خدمات کے سبب ان کا کاروبار آہستہ آہستہ سمٹتا چلا گیا ــــ پھر میرا معاملہ بھی خاصا توجہ طلب ہے۔ جب میں جمعیت طلبہ کے لئے پنجاب اور لاہور کا ناظم تھا تو فروری میں اجلاس ہوا۔ مولانا مودودی صاحب اور مولانا اصلاحی صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ میری وہ تقریر "ہم اور ہمارا کام" آج تک جمعیت کے لٹریچر میں شامل ہے۔ مولانا مودودی نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ علم دین کے کام میں بھی آگے رہیں اور تعلیم میں بھی آگے بڑھیں ــــ میں نے اسی رات گیارہ بجے مولانا مودودی صاحب کو پکڑ لیا۔ میں نے کہا' میرا معاملہ یہ ہے کہ میں پرائمری سے اسکالرشپ لیتا آیا ہوں۔ چوتھی' آٹھویں اور دسویں' پھر ایف ایس سی میں فورتھ پوزیشن لی اور اسکالرشپ۔ یونیورسٹی میں' میں نے فورتھ پوزیشن لی۔ فرسٹ ایئر میڈیکل کالج میں فرسٹ آیا اور سیکنڈ ایئر میں میرے پاس دو اسکالرشپ تھے یعنی ایف ایس سی کا بھی اور فرسٹ ایئر میڈیکل کا بھی ــــ لیکن میں دونوں جگہوں پر بیک وقت کیسے بیٹھ سکتا ہوں؟ ــــ تو مولانا صاحب نے کہا "ہاں' تم ٹھیک کہتے ہو' میرا خود یہی حال ہے کہ جب سے تحریک عوامی دور میں داخل ہوئی ہے' میرا لکھنا' پڑھنا اور مطالعے کا کام تقریباً ترک کر گیا ہے اور میں اپنے سابقہ مطالعے پر بسر کر رہا ہوں۔" اس سے ثابت ہوا کہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ کام پوری تندہی سے انجام نہیں دیئے جا سکتے اور پھر ــــ"

وہ ایک لمحے کو رکے' پھر گویا ہوئے :

"کسی مقصد کے حصول کے لئے لازمی بات ہے کہ پوری طاقت' حوصلوں اور علم کو ہر طرف پھیلانے کے بجائے سمیٹ کر ایک نقطے پر مرکوز کر دینا چاہئے۔ بیک وقت دو کشتیوں میں سوار نہیں ہوا جا سکتا۔ اسی وجہ سے میں نے پریکٹس چھوڑ دی۔"

"کتنے بچے ہیں آپ کے؟"

"چار لڑکے اور پانچ لڑکیاں"

"کسی نے میڈیکل کیا ہے؟"

"جی ہاں' ایک لڑکے نے ایم بی بی ایس کیا ہے۔ دوسرے نے ایم اے فلاسفی کیا۔ دونوں ہماری قرآن اکیڈمی میں کام کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر کو ہم نے شام کو کلینک کھول دیا ہے جس کا نام "انجمن کلینک" رکھا گیا ہے۔"

"بیٹیوں میں سے کسی نے میڈیکل کیا ہے؟"

"نہیں' بیٹیوں کو میں نے اسکول بھیجا ہی نہیں۔ انہیں گھر ہی پر ایف اے تک تعلیم دلوائی ہے۔ شریعت کی حدود کے عین مطابق علم بھی دیا اور پردہ بھی ــــ پھر شادیاں کر دیں۔"

"عیدالفطر کے لئے آپ کا پیغام؟"

"اگرچہ میں ذہنی طور پر اس انٹرویو کے لئے تیار نہ تھا تاہم آپ نے انٹرویو لے ہی لیا ہے تو پھر پیغام بھی لکھ لیجئے۔

عید در حقیقت ایک شکریہ ہے رمضان کے روزوں کا جو ہم ادا کرتے ہیں اور عید اصل میں ان ہی لوگوں کے لئے ہے جو رمضان میں دن کو روزے رکھیں اور راتوں کو قرآن مجید کی تلاوت سے آباد رکھیں۔ جنہوں نے اس روحانی موسم بہار سے صحیح طور پر استفادہ کیا ہو' وہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ ہم نے اس کو ایک فیسٹیول بنالیا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ عید کا جو اسلامی تصور ہے' وہ بگڑنے نہ پائے۔ عید کی سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ وہ لوگ جو واقعتاً نفس کی غلامی سے اپنے آپ کو آزاد کرنے کے لئے ایک ماہ کی مشقت کرتے ہیں' ان کا اللہ تعالیٰ کے سامنے شکرانے کی یہ دو رکعتیں ادا کرنا بھی معنی خیز عمل ہے۔ اسلام میں اس کی بڑی اہمیت ہے' ورنہ تو یہ ہے کہ ہم نے اسے ایک تہوار کی سی صورت دے دی ہے۔"

"گزشتہ دنوں' عید پر سویّوں کے بارے میں آپ کے بیان پر بڑی گرماگرم بحث رہی۔ کیا سویّاں کھانا شرعاً غلط ہے؟"

"شرعاً غلط تو میں نے کبھی نہیں کہا۔ میں نے تو یہ کہا ہے کہ بعض چیزیں روایت کے طور پر ہمارے درمیان اس قدر مستحکم ہو گئی ہیں کہ ہم ان سے ذرا سا بھی ادھر ادھر نہیں ہٹتے' حالانکہ ان کا کوئی ثبوت سنّت میں نہیں ہے ـــــ اور بعض چیزیں جن کی تاکید کی گئی ہے' وہ ہمارے ذہنوں سے اتر گئی ہیں۔ مثلاً عید کی نماز کو جاتے اور آتے ہوئے تکبیر پڑھنا بھول جاتے ہیں اور واپسی کے وقت راستہ تبدیل کر کے آنے کی سنت نبویؐ کا خیال نہیں کرتے ـــــ لیکن یہ کہ ہر عید پر کچھ چیزیں لازمی سی اہمیت حاصل کر لیتی ہیں اور یہ ہمیشہ ہوتا رہا ہے۔ جب اصل سنّت ترک کی جائے گی تو اس کی جگہ کوئی اور رسم لے لے گی۔ اس اعتبار سے تو سویاں گویا لازم ہو گئی ہیں۔ حالانکہ مسئلہ صرف اتنا ہے کہ اس عید پر کوئی میٹھی چیز صبح کے وقت کھاتے ہیں' یعنی یہ سنّت ہے کہ کوئی میٹھی شے کھا کر آدمی عید الفطر کی نماز کے لئے جائے۔ عید الاضحیٰ میں روزے کی حالت میں جاتے ہیں اور واپس آکر قربانی کے گوشت سے روزہ کھولتے ہیں۔ یہ عید تو اب عید الفطر کے بجائے سویوں والی عید بن کر رہ گئی ہے۔ اسی طرح سنّت میں عید پر بغلگیر ہونے کا بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا' لیکن یہ یوں لازم ہو گیا ہے جیسے اس کے بغیر عید ادھوری رہ جائے گی۔"

ڈاکٹر اسرار احمد تھکان ہی محسوس کر رہے تھے اور ہم بھی جو کچھ حاصل کر چکے تھے' وہ کافی تھا۔ ہم نے ان کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا ـــــ کیونکہ صبح آٹھ بجے ڈاکٹر صاحب کراچی سے واپس جا رہے تھے۔

"اسلامی معاشرے میں خواتین کا کردار"

کے موضوع پر

۲۵ جنوری ۸۴ء کو جنگ فورم میں ڈاکٹر اسرار احمد کی گفتگو کا خلاصہ

(منقول از روزنامہ جنگ جمعہ ایڈیشن ۱۷ تا ۲۳ فروری ۸۴ء)

ضیاء شاہد: خواتین و حضرات! آج محترم ڈاکٹر اسرار احمد "جنگ فورم" کے مہمان خصوصی ہیں۔ ان سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ "اسلامی معاشرے میں خواتین کے کردار" پر اظہار خیال فرمائیں۔ اس موضوع کے حوالے سے ملک کے اندر ایک طویل بحث چھڑ چکی ہے۔ بعض لوگ ڈاکٹر صاحب کے خیالات سے اتفاق کرتے ہیں اور بعض اختلاف رائے کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ آج اس محفل میں ایک متنازعہ موضوع پر گفتگو کر کے ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ایسے مسئلے پر خالص علمی انداز میں تحمل سے بحث کریں۔ میں ڈاکٹر صاحب کا تہ دل سے مشکور ہوں کہ وہ یہاں تشریف لائے۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی میں ان سے گزارش کروں گا کہ وہ آج کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔ بعد میں حاضرین تنں سے اصحاب و خواتین سوال بھی کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد: (اللہ تعالیٰ کی حمد اور رسول اکرم ﷺ پر درود بھیج کر قرآن کریم کی ایک آیت مبارکہ تلاوت فرمانے کے بعد)

محترم خواتین اور معزز حضرات! آج کی اس محفل کے موضوع پر ضیاء شاہد صاحب تعارفی کلمات کہہ چکے ہیں، مجھے اس ضمن میں زیادہ وقت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ سب سے پہلے دو باتوں کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔ ایک تو میرے نزدیک یہ اچھا موقع ہے کہ ایک مسئلے پر ہمارے ہاں جو گرما گرم بحث جاری رہی، طویل عرصے تک مختلف ذرائع سے موافق اور مخالف نظریات لوگوں کے سامنے آئے۔ اب کچھ عرصے سے فضا اتنی گرم نہیں ہے۔ لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ اس مسئلے پر اس فضا میں ٹھنڈے دل سے غور کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔ اب شاید حالات زیادہ سازگار ہیں اور اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا

میں اس موقع کو بہت ہی غنیمت خیال کرتا ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب اسلام کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی تعلیمات کا حوالہ دیتے ہیں تو ایک ناگزیر سی صورت یہ ہے کہ اس وقت ہمارے معاشرے میں اسلام کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے، خواہی نخواہی ذہن ادھر منتقل ہو جاتا ہے اور سمجھا یہ جاتا ہے کہ ان تمام باتوں کا دفاع کیا جا رہا ہے جو ہمارے معاشرے میں مختلف گوشوں سے در آئی ہیں۔ مثال کے طور پر ہمارے ہاں معاشیات پر جو بحث ہوتی ہے اور سوشلزم یا کمیونزم کی مخالفت کرتے ہوئے کچھ لوگ اسلام کا دفاع کرتے ہیں تو عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ جو نظام اس وقت ہمارے ہاں ہے، شاید اس کے تحفظ کی بات ہو رہی ہے اور سود وغیرہ کو نکال دیا جائے تو ہمارا معاشی نظام اسلامی رنگ اختیار کر لے گا۔

یہی معاملہ معاشرتی مسائل میں بھی ہو رہا ہے۔ ہمارے معاشرے میں اس وقت جو اقدار ہیں جن پر فی الواقع عمل ہو رہا ہے، میرا تجزیہ یہ ہے کہ اس میں تین اطراف سے چیزیں شامل ہو گئی ہیں۔ ایک تو اسلام کی تعلیمات کا عنصر ہے۔ اسلام کی طویل تاریخ کا پس منظر بہرحال موجود ہے۔ ہمارے تہذیب و تمدن کی تشکیل میں اسلام نے بھی اپنا حصہ ادا کیا ہے۔ چنانچہ ایک عنصر تو اس کا ہے۔ دوسرا اس وقت جتنے بھی مسلمان ممالک ہیں ان سب میں قبل از اسلام کی تہذیب و تمدن کی روایات بھی چلی آ رہی ہیں۔ مثلاً ہمارے ہاں سماجی سطح پر ہندو تہذیب کے اثرات موجود ہیں، معاشرتی اور عائلی سطح پر بھی ان کے اثرات مرتب ہوئے ہیں اور آج کے مسلمان معاشرے نے چونکہ ان کو قبول کیا ہوا ہے اس لئے سمجھا یہ جاتا ہے کہ یہ بھی اسلام کی تعلیم کا کوئی حصہ ہیں۔ اب تیسرا عنصر مغربی تہذیب کا ہے۔ اس کا تسلط پوری دنیا پر ہو چکا ہے تو کم و بیش تمام مسلمان معاشروں کے مختلف طبقات نے اس کے کچھ نہ کچھ اثرات قبول کئے ہیں۔

ہمارے ہاں معاشی، سماجی اور معاشرتی سطح پر تین عوامل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ سمجھنا بہت ضروری ہے اور اسلام کے کھاتے میں ان تمام چیزوں کو نہیں ڈال دینا چاہئے۔ مثلاً ہمارے معاشرے میں بہت سے ہندوانہ اثرات کا غلبہ ہے جن کا سمجھ لینا بہت ضروری ہے۔

ان دو باتوں کی نشاندہی کے بعد میں اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔ موضوع بہت وسیع ہے، اس کی بہت سی اطراف و جوانب بھی ہیں۔ بہرحال میں یہاں اہم باتوں کا تذکرہ

کروں گا اور اختصار کو ملحوظ رکھنے کی کوشش کروں گا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے ہاں ایک بہت ہی غلط بحث اٹھ کھڑی ہوئی ہے اور بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ شاید اسلام کی طرف سے بولنے والوں کے نزدیک ہی عورت' مرد کے مقابلے میں کوئی گھٹیا مخلوق ہے۔ بعض لوگوں نے اسے کمتری کا احساس گردانا اور پھر اس کا دفاع کرنے لگے کہ عورت گھٹیا مخلوق نہیں ہے۔ میں یہ کہوں گا کہ اس ضمن میں اسلام کا نقطۂ نظر قطعی یہ نہیں کہ عورت مرد کے مقابلے میں کسی بھی درجے میں گھٹیا مخلوق ہے' بلکہ اس اعتبار سے کہ دونوں انسان ہیں' ایک نوع کے دو افراد ہیں' ایک مرد ہے دوسرا عورت ہے' اس کے اندر تخلیقی اعتبار سے کسی کے گھٹیا اور کمتر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ـــــ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی بحثا بحثی کی قسم ہے کہ خواہ مخواہ ایسی بحث چھیڑ دی جائے۔ میں یہاں عرض کرنا چاہوں گا کہ اللہ تعالیٰ نے جو شرف نوعِ انسانی کو بخشا ہے اور اسے اشرف المخلوقات بنایا ہے' اس شرف کی رو سے ان میں کوئی فرق نہیں۔ دینی' اخلاقی اور روحانی اعتبار سے بھی اسلام مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں سمجھتا۔ نیکی کمانے کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ سورۂ احزاب کی آیت ۳۵ کے مطالب اور معانی پر غور کیجئے جو میں نے گفتگو کے آغاز میں تلاوت کی ہے۔ اس میں آپ دیکھیں گے کہ کس قدر تکرار ہے کہ جتنے اوصاف اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہیں ان سب میں عورتوں اور مردوں کو برابر کا شریک قرار دیا گیا ہے کہ :

> "یقیناً مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور صداقت شعار مرد اور صداقت شعار عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع و خضوع اختیار کرنے والے مرد اور خشوع و خضوع اختیار کرنے والی عورتیں اور صدقہ و خیرات دینے والے مرد اور صدقہ و خیرات دینے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی عصمت کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرنے والے مرد اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والی عورتیں' اللہ تعالیٰ نے ان سب کے لئے مغفرت اور اجر عظیم کا اہتمام کیا ہے۔"

یہ وہ چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں قدر و قیمت کی حامل ہیں۔ ان اوصاف کے اعتبار

سے کوئی فرق مرد اور عورت کے درمیان نہیں۔ بلکہ اسی طرح کی ایک اہم آیت سورۂ آل عمران کے آخری رکوع میں بھی ہے کہ وہاں بھی چوٹی کے اعمال جن کا ذکر اوپر ہوا ہے اور پھر ایک دعا کے حوالے سے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں کسی بھی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو خواہ وہ عورت ہو اور یہ سب ایک دوسرے ہی سے ہیں۔ آخر عورت اور مرد کسی ایک باپ ہی کی تو اولاد ہیں' کسی ایک ماں ہی کے بطن سے ہیں۔ ان کے درمیان کوئی تفاوت نہیں ہے۔ جن لوگوں نے اتنے بڑے بڑے کام سرانجام دیئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی راہ میں تکلیفیں اٹھائیں' ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا' اللہ تعالیٰ ان کا اجر ضائع کرنے والا نہیں۔

اسی طرح سورۂ تحریم میں عورتوں کے مذہبی اور دینی تشخص اور ان کی آزاد شخصیت کو ثابت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مثالیں دی ہیں۔ یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ عورتیں دینی یا اخلاقی اعتبار سے اپنے شوہروں کے تابع ہیں۔ ان کی اپنی شخصیت ہے۔ ایمان اگر عورت کے دل میں ہے تو یہ اس کی اپنی متاع ہے۔ شوہر اگر اس متاع سے محروم ہے تو اللہ تعالیٰ کے حضور تہی دست ہو گا اور خاتون اللہ کے ہاں سرخرو ہو گی۔ چنانچہ وہاں مثال دی گئی کہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیویاں اپنے اعمال کی وجہ سے سزا پا گئیں' حالانکہ وہ اولوالعزم پیغمبروں کی بیویاں تھیں۔ اس کے برعکس فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کا مقام بہت بلند ہے۔ وہ اپنے کردار اور اعمال کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے حضور مکرم ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ اس اعتبار سے اسلام میں عورت کو مکمل دینی اور مذہبی تشخص حاصل ہے۔ جہاں تک اس کا قانونی تشخص ہے' میں اس کی بات نہیں کر رہا۔

اب بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ تہذیب و تمدن کی گاڑی کے دو پہئے ہیں: ایک مرد اور دوسرا عورت' تو یہاں اللہ تعالیٰ نے دونوں کی جسمانی صورت حال کے پیش نظر ان کے فرائض میں تخصیص رکھی ہے۔ یہ فرق ان کی جسمانی ساخت میں نظر آتا ہے' ان کی نفسیاتی ہم میں نظر آتا ہے۔

میں یہاں یہ عرض کروں گا کہ بیالوجی کے اعتبار سے ہر زندہ عنصر کو دو چیلنج درپیش ہیں۔ ایک تو اپنی ذات کی بقا ہے جس کے لئے اسے خوراک چاہئے' سر چھپانے کے لئے پناہ گاہ چاہئے' تحفظ چاہئے۔ دوسرا چیلنج بقائے نوع کا ہے کہ اس کی نسل برقرار رہے۔ وہ آگے چلے'

پھلے پھولے۔ بقائے نوع کا معاملہ آپ کو غیر ذی حیات میں نظر نہیں آئے گا۔ اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کی جو دو جنسیں بنائی ہیں ان کی اصل حکمت کیا ہے! حکمت یہ ہے کہ ایک کام کے لئے زیادہ جسمانی طاقت' قوتِ ارادی اور اعتماد کی دولت مرد کو عطا کی ہے اور دوسرے کام میں زیادہ بڑا حصہ عورت کے ذمہ لگایا ہے۔ تخلیق کے عمل میں مرد کا حصہ بہت قلیل ہے' باقی کوئی بوجھ فطرت نے مرد پر نہیں ڈالا ـــــ حمل کے دنوں میں نو ماہ کی مشقت عورت ہی برداشت کرتی ہے۔ رضاعت کے دور میں عورت ہی دو سال تک بچے کو دودھ پلاتی ہے۔ مغربی تہذیب کے رجحانات کے زیر اثر عورتیں دودھ پلانے سے کتراتی ہیں۔ اب جدید میڈیکل سائنس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ عورتوں میں سینے کے سرطان کی بڑی وجہ یہی بن جاتی ہے۔ فطرت کے نظام میں آپ رکاوٹ ڈالیں گے تو وہ اپنا بدلہ خود لے لیتی ہے۔

انہی دو چیزوں کا ذکر آیا ہے سورۂ لقمان میں جہاں والدین کے حقوق کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہاں زیادہ حصہ ماں کا قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس نے بچے کو پیٹ میں اٹھائے رکھا' پھر اس کو دو سال تک دودھ پلایا۔ اس عمل میں اس کے جسم کی توانائیاں خرچ ہو جاتی ہیں۔ اس لحاظ سے پروڈکشن کی ذمہ داری اصلاً عورت پر ڈالی گئی ہے' مرد اس میں محض چند لمحوں کے لئے شریک ہوتا ہے۔ میرے نزدیک یہ ظلم کا معاملہ ہوگا کہ دوسرے کاموں میں بھی عورت پر بوجھ ڈالا جائے۔ اس بات کو حقوق میں شامل کرنا بہت بڑی غلطی ہے کہ خواتین کو کام کرنے کی اجازت ہونی چاہئے۔ یہ حق کا معاملہ نہیں' ذمہ داری کا معاملہ ہے' بوجھ کا معاملہ ہے کہ فطرت نے جو تقسیم عورت مرد کے مابین کی ہے اس کے لحاظ سے یہ بات سخت ظالمانہ ہو جائے گی کہ عورت بقائے نسل کے لئے بھی سارا بوجھ اور ساری مشقت برداشت کرے اور کفالت کی ذمہ داریوں میں بھی شریک ہو۔ استثنائی حالات البتہ ہو سکتے ہیں جب عورت کو کام کرنا پڑ جاتا ہے۔ ایسے حالات انفرادی طور پر پیش آ سکتے ہیں۔ اجتماعی طور پر پورے معاشرے یا ملک اور قوم کو پیش آ سکتے ہیں۔ اگر اس کی ضرورت محسوس ہو تو پھر عورت کا کام کرنا حرام نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ انسان ہونے کے ناطے بھی سب برابر ہیں اور اس لحاظ سے بھی مرد اور عورت کے درمیان کوئی فضیلت کا معاملہ نہیں۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ

اخلاقی، ارتقائی اور دینی اعتبار سے دونوں میں کامل مساوات ہے۔ لیکن جب آپ ایک خاندان کی تشکیل کرتے ہیں تو وہاں خاوند اور بیوی کو مساوی مرتبہ حاصل نہیں کیونکہ کسی بھی ادارے میں دو منتظمین کو برابر کے اختیارات دے دینا اس ادارے کی تباہی پر مہر ثبت کر دینے کے مترادف ہے۔ دو سربراہ بنانے سے ادارے کے اندر فساد پیدا ہو جائے گا، انتشار برپا ہو جائے گا۔ بہرحال سربراہ ایک ہو گا، دوسرا اس کا ساتھی، اس کا وزیر، اس کا نائب بھی ہو سکتا ہے۔ اسلام کے عائلی نظام کا یہ بنیادی نکتہ ہے اور اسے آپ سمجھ لیجئے۔ قرآن مجید میں انسانی اجتماعیات کی جو تین سطحیں ہیں یعنی خاندان، معاشرہ اور ریاست تو قرآن نے سب سے پہلی سطح یعنی خاندان کے بارے میں پوری تفصیل کے ساتھ ہدایات دی ہیں اور اتنی ہدایات معاشرتی ڈھانچے یا ریاست کی حیثیت اور اس کے نظام کے بارے میں موجود نہیں۔ قرآن کریم کا منشاء یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر خاندان درست خطوط پر استوار ہو گیا تو پورا معاشرہ سدھر گیا اور معاشرے کے سدھارنے سے ریاست کے معاملات بخوبی چلتے رہیں گے، جیسے کسی شاعر نے کہا ہے

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج!

اس ادارے کا ایک سربراہ ہونا لازمی ہے اور قرآن مجید نے مرد کو خاندان کا سربراہ بنایا ہے۔ یہ کڑوی گولی ہے، لیکن قرآن کریم میں اس کے تدریجی احکامات نازل ہوئے اور یوں اسے مانے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ سورۃ النساء میں واضح حکم ہے کہ مرد عورتوں پر "قوام" ہیں، نگران ہیں، ذمہ دار ہیں، بلکہ اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ حاکم ہیں۔ یہ اللہ کا کلام ہے اور ہمارا اس پر ایمان ہے۔

قانونی معاملات میں مرد کو عورت پر ایک درجہ فضیلت کا دیا گیا ہے، مثلاً مرد طلاق دے سکتا ہے۔ عورت طلاق لے سکتی ہے، دے نہیں سکتی۔ میں ایک مثال یہاں دوں گا کہ ایک واقعے میں حضور اکرم ﷺ نے محض اس بناء پر خلع کی اجازت دے دی کہ عورت نے کہہ دیا تھا کہ مجھے یہ مرد پسند نہیں۔ ظاہر ہے کہ ازدواجی زندگی میں موافقت اور مزاج کی ہم آہنگی پیدا نہیں ہوتی تو زبردستی ایک دوسرے کو باندھے رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ حدیث میں یہاں

تک فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے ناپسندیدہ فعل طلاق کا ہے۔
قرآن کریم میں والدین کے ساتھ بہتر سلوک کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ فرماں برداری کے بعد بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً "تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی پرستش نہیں کرو گے اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو گے۔" جہاں تک ادب کا معاملہ ہے' ماں کا درجہ باپ کے مقابلے میں تین درجے زیادہ بلند رکھا گیا ہے۔ تعلقات کا یہ توازن صرف اسلام میں نظر آتا ہے۔ قانونی طور پر تو خاوند کو سربراہ بنایا گیا ہے لیکن اخلاقی اعتبار سے ماں کو بلند مرتبت قرار دیا گیا ہے اور اس کے پاؤں کے نیچے جنت قرار دی گئی۔
اب میں تیسرے نکتے کی طرف آتا ہوں۔ یہ پردے اور ستر کا مسئلہ ہے۔ اسلام نے عورت کی جنسی جاذبیت صرف اس کے شوہر کے لئے مخصوص کی ہے۔ آزادانہ اختلاط کی اجازت نہیں دی گئی۔ مردوں کا دائرہ کار الگ ہے اور عورتوں کا دائرہ کار الگ رکھا گیا ہے۔ مرد کے لئے بھی ستر کا حکم ہے اور گھٹنے سے لے کر ناف کے اوپر کے حصے تک اس کا جسم ڈھکا ہونا چاہئے۔ یہ ہر حال میں ڈھکا رہنا چاہئے۔ بیٹے کے جسم کا یہ حصہ باپ کی نظر میں نہیں آنا چاہئے' بھائی کے جسم کا یہ حصہ بھائی کے سامنے ننگا نہیں کرنا چاہئے۔ یہ حصہ کھلے گا تو صرف بیوی کے سامنے یا پھر طبیب کے سامنے ــــ عورت کے لئے حکم ہے کہ اس کا پورا جسم ستر ہے' سوائے تین حصوں کے۔ ایک چہرے کی ٹکیہ' دوسرے ہاتھ' تیسرے پاؤں' باقی سارا جسم چھپا رہنا چاہئے۔ عورت کا لباس اتنا تنگ نہیں ہونا چاہئے کہ جسم کے سارے نشیب و فراز نظر آ رہے ہوں۔ حضور اکرم ﷺ نے لعنت فرمائی ہے ان عورتوں پر جو لباس پہن کر بھی ننگی رہتی ہیں۔ عورت حجاب اور ستر کے احکامات کو ملحوظ رکھ کر اپنے ضروری فرائض بجالائے۔ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے اسے کام کرنا پڑے تو اسلام اس پر قدغن نہیں لگاتا۔ وہ گھر کے اندر کام کر سکتی ہے' قومی سطح پر ایسی کاٹیج انڈسٹری کو فروغ دینا چاہئے جہاں صرف خواتین کام کر سکیں۔ ایسے صنعتی یونٹ لگائے جائیں جو عورتوں کی زیر نگرانی چلائے جائیں۔ میں ایک بات اس ضمن میں اور کہوں گا کہ عورت کی جسمانی ساخت کے اعتبار سے اس کے کام کے اوقات مردوں کے مقابلے میں کم رکھے جائیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر عورت پر کام کرنے کی پابندی عائد کر دی جائے تو دیہاتی معیشت تباہ ہو کر رہ جائے گی' کیونکہ وہاں تو ہر مرحلے پر عورت اور مرد برابر محنت کرتے ہیں۔ میں یہ وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ

دیہات کی عورت اپنے محرموں کے اندر کام کرتی ہے جبکہ شہری عورت ہر جگہ نامحرموں میں گھری رہتی ہے۔ بہرحال اس کے باوجود اگر دیہاتی معاشرے میں اس ضمن میں کوئی خرابی ہے تو اس کی اصلاح ہونی چاہئے۔ ان الفاظ کے ساتھ میں اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں۔

ضیاء شاہد: شکریہ ڈاکٹر صاحب! اب میں معزز مہمانوں سے گزارش کرتا ہوں کہ ان کے ذہن میں کوئی سوال ہو تو مختصراً آپ سے پوچھ سکتے ہیں۔

پروفیسر محمد سلیم: اسلام کی رُو سے عورتوں کی تفریح کا انتظام کیسے کیا جانا چاہئے؟

ڈاکٹر اسرار احمد: پردہ باغ بنائے جاسکتے ہیں۔ پھر مکانوں کی طرز تعمیر ایسی ہونی چاہئے کہ اندر چھوٹا سا باغ ہو جہاں عورت ٹہل سکے' سستا سکے۔ لیکن میں اس بات کے حق میں نہیں ہوں کہ ۲۳ مارچ کی پریڈ میں جوان لڑکیاں سینہ تانے مینار پاکستان کی پریڈ میں حصہ لیں اور اسے تفریح کا نام دے دیا جائے۔

خالدہ حسین: جب دشمن کی فوج حملہ کرے تو پھر عورت کا ستر و حجاب کیسے باقی رہے گا؟

ڈاکٹر اسرار احمد: ہنگامی حالات کو دلیل بنانا درست نہیں۔ ایمرجنسی میں احکامات معطل ہو جاتے ہیں اور مجبوری میں حجاب کا نہ رہ جانا کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر کوئی عورت خدانخواستہ نہر میں ڈوب رہی ہے یا آگ میں پھنسی ہوئی ہے تو اس وقت کوئی آدمی محرم یا نامحرم کی بحث میں نہیں پڑتا اور اسے بچانے کے لئے اقدام کرتا ہے۔

خالدہ حسین: پہلے آپ مردوں نے عورت کو باہر نکالا کہ مرد اور عورت زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ جب وہ باہر نکل آئی تو آپ اسے واپس گھر کی چار دیواری میں بند کر دینا چاہتے ہیں؟

ڈاکٹر اسرار احمد: میں نے عورتوں سے کبھی نہیں کہا کہ وہ گھر سے باہر نکل آئیں۔ اس لئے جواب میرے ذمہ نہیں۔

پروفیسر بیگم میر: شہادت کے بارے میں مرد اور عورت کے مابین فرق کیوں ہے؟

ڈاکٹر اسرار احمد: قرآن مجید میں اس سلسلے میں آیت موجود ہے' اس کا ترجمہ بھی سب کو معلوم ہے۔ اس میں کسی اشتباہ کی گنجائش موجود نہیں۔ اب ہمارا ایمان ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو وہ واجب التسلیم ہو گا' اس کی حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ حکم ہو تا تو ثابت ہو گیا' البتہ حکمت پر غور ہو سکتا ہے۔

مسز وحید: اسلام دین فطرت ہے' اس کے احکامات بھی فطرت کے مطابق ہیں لیکن اس مسئلے

میں تضاد کیوں ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ آج کل کی لڑکیاں زیادہ ذہین ہیں' ہوشیار ہیں' میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ ایک جاہل مرد کے مقابلے میں دو ذہین و فطین عورتوں کو برابر کیوں قرار دیا گیا ہے؟

ڈاکٹر اسرار احمد : محترم خاتون! فطرت کا تقاضا ہر شخص کو معلوم نہیں ہوتا' ویسے بھی فطرت کے تقاضوں پر ہی عمل کرنے لگیں تو انتشار پھیل جائے گا۔ شریعت کے معاملات اس سلسلے میں بالکل واضح ہیں اور ان کی کوئی دوسری توجیہہ نہیں کی جاسکتی۔ قرآن کریم کے حکم پر عمل کرنا ضروری ہے' حکمت سمجھ میں آجائے تو بہتر ہے ورنہ حکم پر عمل کرنا بہت ضروری ہے۔

نگار زیب : آپ عورت کو چاردیواری میں بند کردینے کے حق میں ہیں لیکن تاریخ میں مسلم خواتین نے جنگ بھی لڑی اور رضیہ سلطانہ اس کی ایک مثال ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ برقع کے بغیر میدان جنگ میں اتری تھیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد : پہلے آپ یہ فرمایئے کہ کیا آپ کو یقین ہے کہ رضیہ سلطانہ پردے کے بغیر لڑی تھی۔ دوسرے میں کہہ چکا ہوں کہ ایمرجنسی کے معاملات میں احکامات بدل جاتے ہیں۔

مسز وحید : آج آپ کوئی بات متنازعہ بیان نہیں کر رہے' جبکہ ٹی وی پر آپ کی باتیں قابل اعتراض ہوتی تھیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد : میں نے ٹی وی پر بھی کوئی متنازعہ بات نہیں کی۔

مسز وحید : عام طور پر آپ کی تنقید کا نشانہ عورت ہی بنتی ہے۔ آپ مردوں کو مخاطب کرکے انہیں ان کے حقوق و فرائض سے آگاہ کیوں نہیں کرتے تاکہ وہ عورت پر ظلم نہ کریں؟ فیملی پلاننگ کے سلسلے میں بھی عورت کو ہدف تنقید بنایا جارہا ہے' مردوں کو ہدف نہیں بنایا جاتا۔

ڈاکٹر اسرار احمد : پہلے مجھے یہ پوچھنا پڑے گا کہ ہدف بنانے کا مطلب کیا ہے! بہرحال آپ کی یہ بات صحیح ہے کہ شریعت کے حقوق کی ادائیگی اور بجاآوری کے لئے مردوں کو بھی تلقین کرنی چاہئے۔

فوزیہ احمد : ہمارا معاشرہ کس قدر اسلامی ہے؟ اگر اسلامی نہیں تو آپ عورت کو کس حد تک اس کے بگاڑ کا ذمہ دار گردانتے ہیں؟

ڈاکٹر اسرار احمد : معاشرے میں اسلامی اثرات کم ہیں۔ خاص طور پر ہندوانہ اثرات کا غلبہ ہے اور اب جدید مغربی تعلیم نے ہماری سوچ کو متاثر کیا ہے۔ بہرحال معاشرے کی بقاء کی ذمہ

داری عورت سے زیادہ مرد کی ہے۔

فوزیہ احمد: عورت کو عضو معطل بنا کر گھر میں بٹھا دینے سے آپ پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک میں عورت کو Non-productive کیوں بناتے ہیں؟

ڈاکٹر اسرار احمد: میں نے تو کہا ہے کہ پرورشِ کی ذمہ داری عورت پر ڈالی گئی ہے۔

نگار زیب: پردہ عورت پر تو مسلط کیا جا رہا ہے' آخر مردوں پر بھی تو پردہ کے احکامات آتے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد: مرد کے لئے بھی حکم ہے کہ وہ نیچی نگاہ کر کے چلے اور اگر عورت پر اتفاقاً نظر پڑ جائے تو معاف ہے۔

خالدہ حسین: اور ہوتا یہ ہے کہ پہلی نظر اٹھانے کے بعد مرد حضرات آنکھیں نیچی ہی نہیں کرتے۔

ضیاء شاہد: شریعت نے جو حقوق خواتین کو دیئے' وہ عملاً انہیں حاصل نہیں ہو سکے۔ مرد کی بالادستی رہی۔ اب کہیں ایسا تو نہیں کہ دیہات میں عورتوں پر ظلم و ستم کے ردِ عمل کے طور پر عورت کی آزادی کی تحریک اٹھ کھڑی ہوئی ہے؟

ڈاکٹر اسرار احمد: میں آپ کے تجزیئے سے اتفاق نہیں کرتا کہ ظلم و ستم دیہات کی خواتین پر ہوا اور ردِ عمل شہروں میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عورتوں کی آزادی کی تحریک مغرب سے درآمد شدہ ہے' لیکن میں یہ مانتا ہوں کہ عورت کے حقوق پامال ہوئے ہیں اور اس پر زیادتیاں ہوتی رہی ہیں۔

ضیاء شاہد: اسلام کا حکم ہے کہ مسلمان اپنے امور مشورے سے طے کریں' اس میں تو عورت کی تخصیص نہیں کی گئی۔ کیا آپ اس حق میں ہیں کہ عورتیں مجلس شوریٰ یا پارلیمنٹ کی رکن بن سکیں؟

ڈاکٹر اسرار احمد: مسلمانوں کی مجلس شوریٰ میں کسی عورت کی موجودگی کی مثال نہیں ملتی' البتہ جب حضرت عثمانؓ کی خلافت کی بات ہو رہی تھی تو بعض خواتین سے مشورہ کیا گیا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ امورِ مملکت کو چلانا ایک بھاری ذمہ داری ہے اور اسے مردوں کو سنبھالنا چاہئے۔ عورت کو نرم و نازک کام سونپے جائیں۔

خالدہ حسین: آپ نے محترمہ فاطمہ جناح کو صدارتی امیدوار بنانے کی سفارش کی تھی!

ڈاکٹر اسرار احمد: میں نے اس کی سفارش نہیں کی تھی' میں اس کے حق میں نہیں۔ جن

لوگوں نے مادرِ ملّت کو کھڑا کیا انہوں نے ہنگامی صورتحال کو مدِ نظر رکھا تھا۔
مسز وحید : کیا ہمارے ملک کے عائلی قوانین عورتوں کے حقوق کی پاسداری کے لئے کافی ہیں؟ یہ قانون تو مردوں نے بنایا ہے۔
ڈاکٹر اسرار احمد : یہ قانون کا مسئلہ ہے اور میں نے عائلی قوانین کا اس زاویئے سے مطالعہ نہیں کیا' البتہ مجھے یہ اعتراض ہے کہ اس حکومت نے عائلی قوانین کو شریعت کورٹ میں چیلنج کرنے کی اجازت کیوں نہیں دی۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ان پر بحث ہوتی اور اسے اعلیٰ عدالتوں میں چیلنج کیا جا سکتا تاکہ اس کے سقم دور ہو سکتے اور اسے اسلام کی روح کے مطابق ڈھالا جا سکتا۔ افسوس کا مقام ہے کہ عائلی قوانین کو ایک مقدس دستاویز بنا کر رکھ دیا گیا ہے اور انہیں سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ میں لے جانے پر پابندی ہے۔
اسداللہ غالب : ڈاکٹر صاحب! آپ نے خواتین کے کردار پر بڑی وضاحت سے روشنی ڈالی ہے اور آپ کی باتیں خاص طور پر عورتوں کے لئے بڑی خوش کن ہیں۔ کیا آپ یہ توقع کرتے ہیں کہ کبھی پاکستان کے اندر خواتین کو ان کا جائز مقام مل سکے گا اور ہم قرآن و سنت میں دیئے گئے حقوق اپنی خواتین کو دے سکیں گے' خاص طور پر جبکہ آج کل ہمارے ملک میں اسلام کے نفاذ کا چرچا بھی بہت ہے؟
ڈاکٹر اسرار احمد : اصل میں یہ سوال بہت مشکل ہے' اس لئے کہ اس کے ڈانڈے اس سے مل جاتے ہیں کہ آیا واقعتاً ہم قومی سطح پر اسلام کی منزل تک پہنچ پائیں گے۔ میں تو جو بات یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر ہم اس منزل تک نہ پہنچے تو ہم نہ رہیں گے' اس لئے کہ ہمارے لئے کوئی اور بنیاد نہیں ہے جو ہمیں سہارا دے سکے سوائے اسلام کے۔ باقی یہ کہ کامیابی یا ناکامی کے امکانات کا جائزہ لینا میرا مزاج نہیں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ جس چیز کو انسان حق سمجھے' اس کے لئے کوشش کرتا رہے۔ نتائج کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا چاہئے۔ جہاں تک امکان کی بات ہے تو میں رول آؤٹ نہیں کرتا' کیونکہ اسلام انسانوں کے لئے ہے اور اس دنیا اور آخرت کی فلاح کے لئے جامع پروگرام ہے تو ہم کیوں اسے اختیار نہیں کر سکتے۔ میرے نزدیک اس کا امکان موجود ہے لیکن کب ہو گا' یہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔
ضیاء شاہد : میں آخر میں ڈاکٹر اسرار احمد کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور تمام خواتین و حضرات کا بھی شکر گزار ہوں جو یہاں تشریف لائے اور بحث میں حصہ لیا۔

حرفِ آخر

الحمد لله و کفی والصلوة والسلام علی عبادہ الذین اصطفی خصوصًا علی افضلھم و خاتم النبیین سید المرسلین محمد الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے خطاب میں روزنامہ "جنگ" کے جمعہ ایڈیشن بابت ۱۲ تا ۱۸ مارچ ۸۲ء میں شائع شدہ جس انٹرویو کا ذکر ہے جس میں خواتین سے متعلق چند ضمنی سوالات و جوابات بھی شامل ہیں جن کے رد عمل کے طور پر ڈاکٹر صاحب کے خلاف تقریباً تمام ہی انگریزی' اردو روزناموں میں مضامین' مراسلات' بیانات کا ایک طوفان اٹھا تھا کہ گورنر سندھ کی بیگم صاحبہ کی زیر قیادت کراچی ٹیلی ویژن پر خواتین نے "الہدیٰ" (ڈاکٹر صاحب کا ہفتہ وار درس قرآن) کو بند کرنے کے مطالبہ کے لئے مظاہرہ بھی کیا' وہ انٹرویو "جنگ" کے تقریباً بارہ کالموں پر محیط تھا۔ اس پورے انٹرویو میں خواتین سے متعلق سوالات و جوابات کا حصہ بمشکل نصف کالم بنتا ہے جو بے تکلفانہ انداز کا حامل ہے۔ یہ حصہ ذیل میں بے کم و کاست درج کیا جا رہا ہے۔ اس کے مطالعہ سے ان شاء اللہ العزیز ڈاکٹر صاحب موصوف کے خطاب کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

س : کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ مختلف موضوعات پر میں پوچھتا جاؤں! اول یہ کہ عورت کے دائرہ کار کے بارے میں آپ کی رائے؟

ج : اسے تو میں فوراً متعین کروں گا کہ وہ گھر کے اندر رہے اور جتنی ورکنگ خواتین ہیں ان کو فوراً پنشن پر بھیج دیا جائے۔

س : اس کا فائدہ تو ان کو ہو گا جو ملازمت میں ہیں' پنشن ان کو آپ نے دے دی۔ لیکن جو ملازم نہیں ہیں' وہ آئندہ ملازمت میں نہ آسکیں گی۔ ان کو پنشن نہیں ملے گی؟

ج : ہاں جو اس وقت سروس میں ہیں ان کی کوئی صورت کر کے . . . ان کے خرچ کی جو بھی ضروریات ہیں . . .

س : آئندہ خواتین کی سروس کے بارے میں کسی شعبے میں؟

ج : آئندہ خواتین ملازمت میں نہیں آئیں گی۔ ہاں میڈیکل کے بارے میں کچھ ہو سکتا ہے۔

س : سکولوں اور کالجوں کی تدریس کے لئے؟

ج : ان کا علیحدہ نظام ہو لیکن یہ کہ ہمارے دفاتر میں ' ہمارے سٹوڈیو میں ' پی آئی اے میں ہوسٹس قطعاً نہیں۔ خواتین کا اپنا انتظام ہو اور وہاں یہ پڑھائیں۔

س : حجاب رُو کے بارے میں؟

ج : ہاں میں اس کا شدت سے قائل ہوں۔

س : چہرہ اور ہاتھ مستثنیٰ ہونے کی جو رائے ہے آپ اس کو ـــــ

ج : نہیں ـــــ میں اس کا قائل نہیں۔

س : تفریحات کے ضمن میں آپ کیا سمجھتے ہیں۔ مثلاً ٹیلی ویژن ہے ' اس میں کس نوعیت کی تبدیلی یا اصلاح آپ تجویز کریں گے؟ آپ نے یہ بھی پچھلے دنوں کہا تھا کہ خواتین نہیں بیٹھ سکتیں تو موقف تو آپ کا . . . .

ج : خواتین اناؤنسرز ـــــ میں اس کو گوارا نہیں کروں گا۔

س : مرد اناؤنسرز کو خواتین دیکھیں گی؟

ج : اس حد تک مرد کا عورت کا دیکھنا اور عورت کا مرد کو دیکھنے میں فرق ہے۔

س : مرد پروگرام پیش کرے اور گھروں میں بیٹھی خواتین دیکھ لیں ' آپ کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ اور یہ جو ڈرامہ ہے اس میں کچھ پہلو رومانس کے بھی ہوتے ہیں؟

ج : میں قائل نہیں ہوں ' ڈرامہ نہیں ہونا چاہئے۔

اس انٹرویو میں ملک کے سیاسی ' معاشی اور معاشرتی معاملات ' سیاسی جماعتوں کے روز افزوں اختلاف اور ان کے اسباب اور نقصانات ' دعوت و تبلیغ کی اہمیت اور اس کی کمی کے مسائل ' اسلامی نظام کی پیش رفت میں رکاوٹ اور سست روی کے اسباب اور ایسے ہی بہت سے موضوعات پر مفصل سوالات و جوابات ہوئے ' لیکن "جنگ" کے اس میگزین پر جو سرخی نمایاں کی گئی وہ یہ تھی کہ "ٹیلی ویژن پر ڈرامے نہیں ہونے چاہئیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد سے انٹرویو"۔

یہ بات حاشا و کلا ہم نے معذرت خواہانہ طور پر نہیں کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے جوابات میں بہت ہی اختصار کے ساتھ اسلام میں خواتین کے حقیقی مقام اور اس کے دائرہ کار کے متعلق محض اشارات کے انداز میں اپنا نقطہ نظر پیش کیا تھا۔ انگریز کے سیاسی استیلاء کے

دور سے ہمارے معاشرے میں بے حجابی کا جو طوفان اٹھنا شروع ہوا تھا اور جو اس وقت اپنے شباب پر ہے' اس فتنہ کے متعلق الصادق والمصدوق ﷺ چودہ سو سال قبل امت کو متنبہ فرما گئے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری کی روایت ہے :

> عن اسامة بن زيد رضى الله عنهما عن النبى صلى الله عليه وسلم قال : ((مَا تَرَكْتُ بَعْدِيْ فِتْنَةً اَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ))
>
> اسامہ بن زید ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں نے اپنے بعد مردوں کے حق میں سب سے زیادہ نقصان دہ فتنہ عورتوں سے بڑھ کر کوئی نہیں چھوڑا۔"

کاش ہمارے ملک کے نام نہاد دانشور حضرات و خواتین نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد مبارک سے سبق لیں' نیز محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے خطاب میں قرآن و حدیث کے حوالے سے حجاب و ستر کے جو احکام اور حدود پیش کیے ہیں ان کا معروضی طور پر مطالعہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے توقع ہے کہ حق ان کے سامنے مبرہن ہو کر آ جائے گا۔

(احقر: جمیل الرحمٰن عفی عنہ)

پس نوشت از ناشر

(۱) زیر نظر کتاب میں "گھر سے باہر نکلنے کے احکام" کے ذیلی عنوان کے تحت صفحہ ۷۳ پر اسلامی شعائر کی پابند ایرانی خواتین کے مکمل پردے کا جو ذکر کیا گیا ہے' واضح رہے کہ یہ صورت حال بہت پہلے کی تھی۔ آیت اللہ خمینی کے انقلاب کے بعد ایران میں جس پردے کو فروغ دیا گیا ہے اس میں خواتین چہرہ کھلا رکھتی ہیں۔

(۲) زیر نظر کتاب کے صفحہ ۸۵ پر ذیلی عنوان "غزوات اور جنگوں میں خواتین کی شرکت" کے ضمن میں امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ کے موقف میں جس شدت کا اظہار ہوا ہے' اس حوالے سے بعض مستند روایات و واقعات کے مطالعے کے بعد یہ شدت اس درجے باقی نہیں رہی۔ اس سلسلے میں "جہاد اور مسلمان عورتیں" کے عنوان سے مولوی انیس احمد مرحوم کا ایک مدلل مضمون ماہنامہ میثاق کے جون ۲۰۰۰ء کے شمارے میں شائع کیا جا چکا ہے۔